فہم القران سیریز نمبر 1
سورۃ الکھف
قرآنا عجبا
سوال و جواب کی صورت میں
قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت
نگہت ہاشمی
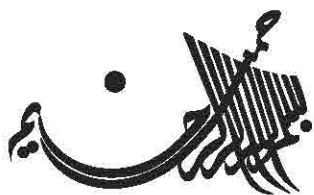
تفسیر سورۃ الکہف

نگہت ہاشمی

تفسیر سورۃ الکہف

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : تفسیر سورۃ الکہف
مصنفہ : نگہت ہاشمی
طبع اول : مارچ 2018ء
تعداد : 2100
ناشر : النور انٹرنیشنل
لاہور : 102-H گلبرگ III، نزد فردوس مارکیٹ، لاہور
فون نمبر : 0336-4033045, 042-35881169, 042-35851301
کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن بلاک III، کراچی
فون نمبر : 0336-4033034 - 021-35292341-42
فیصل آباد : 121-A فیصل ٹاؤن، ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد
فون نمبر : 03364033050, 041-8759191
ای میل : sales@alnoorpk.com
ویب سائٹ : www.alnoorpk.com
فیس بک : Nighat Hashmi, Alnoor International

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابتدائیہ

قرآن مجید کو انسان کے قلب و ذہن اور زندگی میں اُتارنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں، اُن میں سے ایک اہم طریقہ سوال و جواب کا ہے۔ مثلاً سورۃ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں:

﴿وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾

''اور تمہیں کس نے خبر دی کہ دوزخ کیا ہے؟'' (27)

پھر اگلی ہی آیات میں جواب دیا جاتا ہے:

﴿لَا تُبۡقِیۡ وَ لَا تَذَرُ ۚ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ۚ﴿۲۹﴾ عَلَیۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾﴾

''نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وُہ چھوڑے گی۔ کھال کو جھلسا دینے والی ہے۔ اُس پر انیس فرشتے مقرر ہیں''

سورۃ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اُٹھا کر جواب دیتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ﴿ؕ۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿ۙ۱۳﴾ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍ ﴿ۙ۱۴﴾ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ﴿ۙ۱۵﴾ اَوۡ مِسۡكِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ﴿ؕ۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ ﴿ؕ۱۷﴾﴾

''اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کا چھڑانا یا کسی بھوک والے دن کھانا کھلانا، کسی رشتے دار یتیم کو یا خاک نشین محتاج کو، پھر یہ کہ وہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی''

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اُٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ؟

قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ (صحیح بخاری: 6442)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا)

اور اس نے جو (مال) پیچھے چھوڑا، وہ اس کے وارث کا مال ہے۔''

ہر آیت میں غور وفکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظر انداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آئیں تو انسان رُک کر سوچتا ہے۔ سوال و جواب کے انداز میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قران حکیم کو سوال و جواب کی صورت میں **قرانا عجبا** کے نام سے مرتّب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر آیت کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اُٹھایا ہے اور نکات (Points) کی صورت میں ان کا جواب قرآن حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات (Tips) پر آجاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور پر یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔

قرآن مجید کو اِس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال و جواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

''آپ پاک ہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں

یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں'' (البقرہ:32)

میں ان سب کی بہت ممنون ہوں جنہوں نے اس کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ آمین

دُعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

ایاتہا ۱۱۰ ۱۸ سُورَۃُ الکَھفِ مَکِّیَّۃٌ ۶۹ رکوعاتہا ۱۲

سوال 1: اس سورۃ کا نام الکہف کیوں ہے؟

جواب: ''کہف'' غار کو کہتے ہیں اور اس سورت میں چونکہ غار والوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اسے ''الکہف'' کہتے ہیں۔

سوال 2: سورۃ الکہف کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: سورۃ الکہف مکی سورت ہے۔ اس میں بارہ رکوع اور 110 آیات ہیں۔

سوال 3: ترتیب نزولی اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: ترتیب نزولی کے اعتبار سے 69 ویں سورت ہے، اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 18 ہے۔

سوال 4: سورت الکہف کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں حفظ کرلیں، وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔'' (صحیح مسلم :1883)

(2) صحیح مسلم میں اوّل و آخر کی فضیلت آئی ہے۔ البانی نے پہلی دس آیات والی روایت کو محفوظ اور راجح قرار دیا ہے۔ (سلسلہ صحیحہ البانی:582)

(3) جو اس کی تلاوت جمعہ کے دن کرے گا۔ آئندہ جمعے تک اس پر خاص نور اور روشنی باقی رہے گی۔ (صحیح البانی، صحیح الجامع الصغیر:6470)

(4) اس کو پڑھنے سے گھر میں سکینت اور برکت نازل ہوتی ہے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سورۂ کہف پڑھی، ان کے گھر میں گھوڑا بندھا ہوا تھا جو بدکنے لگا تو انھوں نے سلام پھیرا (کیونکہ وہ نماز میں تلاوت کر رہے تھے) کیا دیکھتے ہیں کہ ابر ہے جو سارے گھر میں چھا گیا ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے فلاں! تو قرآن پڑھتا رہ۔ یہ سکینت ہے جو قرآن پڑھنے کی وجہ سے اتری۔'' (صحیح بخاری:3614)

سوال 5: یہ سورت کس دور میں نازل ہوئی؟

جواب: یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں پر اہل مکہ کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچ رہا تھا، تا کہ اصحاب کہف کا واقعہ سنا کر مسلمانوں کی ہمت افزائی کی جائے اور انہیں بتایا جائے کہ ان سے پہلے مسلمانوں پر اس سے زیادہ ظلم کیا گیا، لیکن ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آیا۔ (تیسیر الرحمٰن:832/1)

رکوع نمبر 1

﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡـكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾

''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی'' (1)

سوال 1: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡـكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡـكِتٰبَ﴾ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی'' اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کہ اس نے یہ کتاب عزیز اپنے رسول پر نازل فرمائی جو کہ اہل زمین پر نازل ہونے والی نعمتوں میں سب سے عظیم ہے۔ اس لئے کہ یہ کتاب انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتی ہے۔ (تفسیر مراغی: 5/372، 373)

(2) حمد و ثنا ہے اس ذات کے لئے جس نے محمد ﷺ کو اپنی رسالت کے لئے خاص کیا اور انہیں نبی اور رسول ﷺ بنا کر اپنی مخلوق کی طرف مبعوث کیا اور ان پر مضبوط کتاب نازل فرمائی۔ (جامع البیان: 15/191)

(3) اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر حال میں حمد ہے۔ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡحَمۡدُ فِى الۡاُوۡلٰى وَالۡاٰخِرَةِ وَلَهُ الۡحُكۡمُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ ''اور وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی کے لیے تمام تعریف ہے دنیا میں اور آخرت میں اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کی جانب تم لوٹائے جاؤ گے۔'' (القصص: 70)

(4) بندوں کو یہ تعلیم دینی بھی مقصود ہوتی ہے کہ ہر مہتم بالشان چیز کی ابتدا اور انتہا اللہ تعالیٰ کی ہی حمد و ثنا سے ہونی چاہیے۔ (تیسیر الرحمن: 1/832، 833)

(5) ﴿وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ ''اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی'' اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی دو خوبیاں بیان فرمائیں جو اس بات پر مشتمل ہیں کہ یہ کتاب ہر لحاظ سے کامل ہے۔ یہ دو صفات مندرجہ ذیل ہیں۔ (i) اس کتاب عظیم سے کجی کی نفی۔ (ii) اس بات کا اثبات کہ یہ کتاب کجی دور کرنے والی اور راہ راست پر مشتمل ہے۔ (تفسیر سعدی: 1496، 1495)

(6) یہ کتاب حق اور صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی حمد سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد بیان کر کے بندوں کی کس طرف راہ نمائی کی ہے؟

جواب: (1) حمد سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعے سے، جو کہ صفت کمال ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی اور دینی و دنیاوی نعمتوں

کے اظہار واعتراف کے ذریعے سے اس کی ثنا بیان کرنا اور علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی جلیل ترین نعمت اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر قرآن نازل کرنا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد بیان کی اور اس ضمن میں بندوں کے لئے اس امر کی طرف راہ نمائی ہے کہ وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کریں کہ اس نے ان کی طرف اپنا رسول بھیجا اور کتاب نازل کی۔(تفسیر سعدی :1495/2)

﴿قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا﴾

''بالکل سیدھی ہے تاکہ وہ اس کی جانب سے ایک سخت عذاب سے خبردار کردے اور مومنوں کو خوش خبری دے دے جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لیے اچھا اجر ہے''(2)

سوال1:﴿قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا﴾ ''بالکل سیدھی ہے تاکہ وہ اس کی جانب سے ایک سخت عذاب سے خبردار کردے اور مؤمنوں کو خوش خبری دے دے جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لیے اچھا اجر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَيِّمًا﴾ ''بالکل سیدھی ہے'' قرآن مجید کی یہ خوبی ہے کہ یہ ایک مستقیم اور معتدل کتاب ہے، جو بالکل سیدھی اور ٹھیک ہے۔(مختصر ابن کثیر:1079/1)

(2) استقامت کا اثبات اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ کتاب جلیل ترین امور کا حکم دیتی ہے اور جلیل ترین خبروں سے آگاہ کرتی ہے اور یہ وہ خبریں ہیں جو قلوب انسانی کو معرفت الٰہی اور ایمان وعقل سے لبریز کر دیتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کے افعال کے بارے میں خبریں، نیز گزرے ہوئے اور آئندہ آنے والے غیبی معاملات کی خبریں۔ اس کتاب کی استقامت کا اثبات اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ اس کے اوامر ونواہی نفوس انسانی کا تزکیہ، ان کی نشوونما اور ان کی تکمیل کرتے ہیں کیونکہ یہ اوامر ونواہی کامل عدل وانصاف، اخلاص اور اکیلے اللہ رب العالمین کے لئے عبودیت پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب، جس کے مذکورہ بالا اوصاف بیان کئے گئے ہیں، اس بات کی مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نازل کرنے پر اپنی حمد بیان کرے اور اپنے بندے سے اپنی حمد وستائش کا مطالبہ کرے۔(تفسیر سعدی:1495،1494/2)

(3) کتاب کے قیم ہونے سے مراد سیدھا ہونا ہے یعنی انسانوں کے دین ودنیا کے لیے راہ نمائی، حفاظت کرنے والی اور اسلام کے سیدھے اور سچے ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔

(4) قرآن کو ''قیم'' کہا، یعنی یہ قرآن نہایت ہی معتدل کتاب ہے، ہر افراط وتفریط سے پاک، اور تمام سابقہ آسمانی کتابوں پر غالب ہے، جس بات کو وہ حق بتاتا ہے وہ حق ہے اور جسے باطل قرار دیتا ہے وہ باطل ہے۔(تیسیر الرحمن:833/1)

(5)﴿لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ﴾ ''تاکہ وہ اس کی جانب سے ایک سخت عذاب سے خبردار کردے'' قرآن کریم کا مشن یہ ہے کہ یہ اہل شرک ومعاصی کو اللہ تعالیٰ کے دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈراتا ہے اور مومنین صالحین کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جس میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ (تیسیر الرحمن:833/1)

(6) یعنی اس قرآن کریم کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے ہاں موجود عذاب سے ڈرائے یعنی اس شخص کو اپنی اس قضاوقدر سے ڈرائے جو اس کے احکامات کی مخالفت کرنے والوں کے لئے ہے۔ یہ دنیاوی عذاب اور اخروی عذاب دونوں کو شامل ہے، نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو خوف دلایا ہے اور ان کو ان امور سے ڈرایا ہے جو ان کے لئے نقصان اور ہلاکت کا باعث ہیں جیسا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آگ کا وصف بیان کیا تو فرمایا:﴿ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴾ ''یہ وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اے میرے بندو! پھر مجھ ہی سے ڈرو۔'' (الزمر:16) پس یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ان لوگوں کے لیے سخت سزائیں مقرر کر رکھی ہیں جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان سزاؤں کو ان کے سامنے بیان کردیا اور ان اسباب کو بھی واضح کردیا جو ان سزاؤں کے موجب ہیں۔ (تفسیر سعدی:1496/2)

(7)﴿وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور مومنوں کو خوش خبری دے دے جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ نے کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ اپنے رسول کے ذریعے ان لوگوں کو خوش خبری سنائے جو ایمان لاکر ان نیک اعمال کو پورا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کیے ہیں۔

(8) اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں کو خوشخبری دیتے ہیں جو اس کتاب پر یقین کرکے اپنے ایمان کو مکمل کرتے ہیں۔

(9) اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے مومن بندوں پر نیک اعمال واجب کیے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں سرانجام دیئے جاتے ہیں۔

(10)﴿اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا﴾ ''یقیناً ان کے لیے اچھا اجر ہے'' اس سے مراد وہ اجر ہے جو ایمان لاکر عمل صالح کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ سب سے بڑا اجر جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ اجر حسن اس بات کی دلیل ہے کہ جنت میں جو کچھ ہوگا بہت خوب ہوگا جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا، نہ کسی انسان کے تصور میں اس کا گزر ہوا۔ رب العزت نے فرمایا:﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی، ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، اس میں ابدالآباد تک ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' (المائدہ:119)

(11)﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ”آپ ان لوگوں کو نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اُن لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی، اگرچہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کا خاندان ہو یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اُن کو اپنی جناب سے ایک رُوح کے ساتھ قوت دی ہے اور اُنہیں وہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کے گروہ کے لوگ ہی یقیناً فلاح پانے والے ہیں۔“ (المجادلۃ:22)

(12)﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ ”ان کی جزا اُن کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اُس سے راضی ہو گئے۔ یہ اُسی شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا۔“ (البینۃ:8)

﴿مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴾

”وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں“ (3)

سوال 1: ﴿مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴾ ”وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴾ ”وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں“ جنت جسے کبھی نہ فنا ہونا ہے، نہ اسے کبھی زوال آنا ہے۔ اس میں وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جو نیک عمل کریں گے۔ (2) یہ اجر حسن کبھی ختم نہیں ہو گا بلکہ ہمیشہ اس کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو آدمی جنت میں داخل ہو جائے گا وہ نعمتوں میں ہو جائے گا۔ اسے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہو گی اور نہ ہی اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ ہی اس کی جوانی ختم ہو گی۔“ (صحیح مسلم:7156)

(4) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ (اے جنت والو) تمہارے لیے (یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ) تم صحت مند رہو گے کبھی بیمار نہیں ہو گے اور تم زندہ رہو گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور تم جوان رہو گے تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے۔ تم آرام میں رہو گے تمہیں کبھی تکلیف نہیں آئے گی۔ تو اللہ عزوجل کا یہی فرمان ہے

کہ: آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے تم اپنے (نیک) اعمال کے بدلہ میں اس جنت کے وارث ہوئے۔'' (صحیح مسلم:7157)

﴿وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾

''اور ان لوگوں کو وہ ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد بنالی ہے'' (4)

سوال 1: ﴿وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ ''اور ان لوگوں کو وہ ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد بنالی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ ''اور ان لوگوں کو وہ ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد بنالی ہے'' یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکوں کو ڈرادو جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنائی ہے۔

(2) یہ تین طرح کے گروہ تھے (i) مشرک جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (ii) یہود جو کہتے تھے کہ عزیر اللہ تعالیٰ کی بیٹے ہیں۔ (iii) عیسائی جو کہتے تھے مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ (تفسیر مراغی: 373/5)

(3) دُنیا میں انسان کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ انسان ایک اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اپنا سہارا بنالے۔ اس کی ایک بُری صورت اللہ تعالیٰ کی اولاد بنانا ہے۔ (4) مشرک کسی علم یا یقین کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں بناتے بلکہ محض گمان اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔

﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾

''انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں اور نہ ہی اُن کے باپ دادا کو۔ بہت بڑی بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے
وہ صرف جھوٹ ہی کہتے ہیں'' (5)

سوال 1: ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ ''انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں اور نہ ہی اُن کے باپ دادا کو۔ بہت بڑی بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے وہ صرف جھوٹ ہی کہتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ﴾ ''انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں اور نہ ہی اُن کے باپ دادا کو'' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ ان کے اقوال علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ گمان اور خواہشات نفس کی بنیاد پر ہیں۔ یہ اور ان کے آباؤ اجداد علم کے بغیر، دلیل کے بغیر محض جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء پردازی کرتے ہیں۔

(2) یہ مشرکوں کی جانب سے بہت بڑا الزام ہے اور اس سے بڑھ کر بری بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب کرے؟ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''اور اس سے بڑا

ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے، ظالم یقینا کامیاب نہیں ہوتے۔'' (الانعام:21)

(2) اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب کرنا دراصل اس کی ذات میں نقص اور اس کی الوہیت اور ربوبیت میں غیر اللہ کو شریک کرنا ہے۔

(3) ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ ''بہت بڑی بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے'' ان کے منہ سے نکلنے والی بات سراسر جھوٹ ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (۸۸) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا (۸۹) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (۹۰) اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (۹۱) وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (۹۲) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (۹۳) لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا (۹۴) وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (۹۵)﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ رحمن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ بلاشبہ تم یقینا بڑی بھاری بات کو آئے ہو۔قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں۔کہ انہوں نے رحمن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا ہے۔حالانکہ رحمن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، رحمن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے۔بلاشبہ یقینا اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے۔اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے۔'' (مریم:88,95)

(4) ﴿اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ ''وہ صرف جھوٹ ہی کہتے ہیں'' اس جھوٹ میں سچ کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

(5) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابر ٹھہراؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔میں نے عرض کیا یہ تو واقعی سب سے بڑا گناہ ہے پھر اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائیں گے۔میں نے پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کرو۔(بخاری:4477)

(6) غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح بتدریج ان کے قول کا ابطال کیا ہے اور کم تر باطل چیز سے زیادہ باطل چیز کی طرف انتقال کیا ہے، چنانچہ پہلے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی:﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ﴾ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا ممنوع اور باطل ہے پھر دوسرے مرحلے میں فرمایا کہ یہ انتہائی قبیح قول ہے، فرمایا:﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ پھر تیسرے مرتبے میں فرمایا کہ یہ محض جھوٹ ہے جو صدق کے منافی ہے۔(تفسیر سعدی:1497/2)

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾

''پس شاید آپ ان کے پیچھے غم ہی سے خود کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے؟'' (6)

سوال1: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا﴾ ''پس شاید آپ ان کے پیچھے غم ہی سے خودکو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا﴾ ''پس شاید آپ ان کے پیچھے غم ہی سے خودکو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے؟'' نبی ﷺ کو مشرکوں کے ایمان نہ لانے کا بہت افسوس تھا۔

(2) ﴿بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ﴾ سے مراد قرآن کریم ہے۔ رب العزت نے اپنے رسول کو تسلی دی ہے کہ آپ اپنی جان کیوں گھلا رہے ہیں؟

(3) اگر یہ ایمان نہیں لاتے ﴿فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ﴾ ''چنانچہ آپ کی جان اُن پر افسوس کرکے نہ جاتی رہے۔'' (فاطر:8)

(4) ﴿اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ﴾ ''یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر پلٹ جائیں۔'' (النمل:80)

(5) ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ''شاید آپ خودکو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ مومن کیوں نہیں ہوتے؟'' (الشعراء:3)

(6) ﴿وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُنۡ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ﴾ ''اور آپ ان پر غم نہ کریں اور نہ آپ تنگی میں ہوں اس سے جو وہ بُری تدبیریں کرتے ہیں۔'' (النمل:70)

(7) ﴿بَاخِعٌ﴾ ''ہلاک کرنے والے ہیں'' یعنی غم کے مارے اپنی جان کو ہلاک کردیں گے۔ ﴿بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ﴾ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے مراد ہے کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلاک کرڈالیں گے۔ (جامع البیان:196/15)

(8) اپنی جان نہ گھلاؤ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہو۔ جو ہدایت کے راستے پر آگیا اسے خود فائدہ ہوگا۔ جو گمراہی پر قائم رہا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔

(9) آپ ﷺ کا اجروثواب تو واجب ہو چکا۔ رہی ان کی بات جو ایمان نہیں لاتے تو اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے دل میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ضرور انہیں ہدایت دے دیتا ﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ﴾ ''یقیناً آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے'' (القصص:56)

(10) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اعتراف کیا ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِىۡ وَاَخِىۡ﴾ ''اے میرے رب! میں اپنے آپ پر اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔'' (المائدہ:25)

(11) ﴿لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ﴾ ''آپ اُن پر ہرگز کوئی مسلط کیے ہوئے نہیں ہیں۔'' (الغاشیہ:22)

(12) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے آگ جلائی تو پتنگے اور پروانے اس میں گرنے لگے اور وہ ان کو اس آگ سے دور ہٹاتا رہے۔ میں بھی تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر تمہیں جہنم کی آگ سے بچا رہا ہوں لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹے جاتے (اور نارِ جہنم میں گرتے جاتے) ہو۔ (مسلم:5958)

(13) نبی ﷺ کو مشرکوں کے ایمان نہ لانے کا بے حد ملال ہوتا تھا۔ آپ ﷺ سب لوگوں کی ہدایت کے لیے بے حد کوشش کرتے تھے، جب لوگ جھٹلاتے تو ان پر رحم کی وجہ سے غم زدہ ہوتے تھے اس لیے رب العزت نے تسلی دی کہ آپ ﷺ قرآن پر ایمان نہ لانے والوں کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔

(14) نبی ﷺ کا یہ حزن قلب پاک سے الگ نہ ہوا۔ بسا اوقات تہجد میں سارا سارا وقت امت کے لئے دعا کرنے میں وقف کر دیتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اسی آیت کے دہرانے میں پوری رات گزار دی۔ ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ''اگر تو ان کو سزا دے تو یقیناوہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو یقینا تو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (المائدہ:118)(رحمۃ للعالمین:272,274)

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

''یقینا ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کی زینت بنایا ہے تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ اُن میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے'' (7)

سوال 1: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ''یقینا ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کی زینت بنایا ہے تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ اُن میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا﴾ ''یقینا ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کی زینت بنایا ہے'' اللہ تعالیٰ نے زمین پر جو کچھ ہے سب کو زینت بنایا ہے۔ مثلاً مال، اولاد، نباتات، معدنیات، زمین کے خزانے، جانور وغیرہ۔

(2) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا بڑی میٹھی اور سر سبز (یعنی پر کشش) ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو (زمین میں) جانشین بنائے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ پس (اس میٹھی اور پر کشش) دنیا سے بچ کر رہو اور عورتوں سے بھی محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوا۔'' (صحیح مسلم:6948)

(3) سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقیری کا ڈر نہیں، لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر کشادہ کر دی جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی، پھر تم دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگو گے جیسے اگلے لوگ دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے اور وہ دنیا تمہیں ہلاک کر دے جیسے اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔'' (صحیح مسلم:7425)

(4) ﴿لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ''تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ اُن میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے'' یعنی کون زیادہ خالص اعمال پیش کرتا ہے۔ (5) دنیا دار الامتحان ہے، دار القرار نہیں۔

(6) اللہ تعالیٰ نے زمین پر مختلف قسم کے حیوانات پیدا کیے، اور اسے درختوں، نہروں اور پھول پتیوں سے زینت بخشی، اور انواع و اقسام کی

نعمتوں سے اسے بھر دیا، تا کہ دیکھے کہ کون رنگ رلیوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے، اور کون شہوتوں اور خواہشات پر غالب آکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کو ترجیح دیتا ہے۔ (تیسیر الرحمن:833/1)

﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا﴾

''اور جو بھی زمین پر ہیں بلاشبہ ہم اُسے ضرور صاف میدان بنا دینے والے ہیں'' (8)

سوال 1: ﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا﴾ ''اور جو بھی زمین پر ہیں بلاشبہ ہم اُسے ضرور صاف میدان بنا دینے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا﴾ ''اور جو بھی زمین پر ہیں بلاشبہ ہم اُسے ضرور صاف میدان بنا دینے والے ہیں'' دنیا فنا ہونے والی ہے اس کی رونق ویرانی سے بدلنے والی ہے، اس کی ہر چیز ختم ہو کر چٹیل میدان بننے والی ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ (۲۷) وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲۸)﴾ ''اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم بنجر زمین کی طرف پانی ہانک کر لاتے ہیں پھر ہم اُس کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں جس میں سے اُن کے جانور بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی۔ تو کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں؟'' (السجدہ:27,28)

(3) ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ ''جو زمین پر ہے ہر ایک چیز فانی ہے۔'' (الرحمن:26)

(4) ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (۱۰۵) فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا (۱۰۶) لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (۱۰۷)﴾ ''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ آپ کہہ دیں میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا۔ پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا۔ آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ۔'' (طٰہٰ:105,107)

سوال 2: زمین کی دل فریبیوں کے انجام سے کس حقیقت کا پتہ چلتا ہے؟

جواب: زمین کی دل فریبیوں کے انجام سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ (i) زمین کی دل فریبیاں عارضی ہیں۔ (ii) زمین کی دل فریبیاں مقررہ مدت تک ہیں۔ زمین کی یہ حیثیت اور اس کی رونقیں ختم ہونے والی ہیں۔

سوال 3: جو اس دنیا کے باطن پر نظر ڈالتا ہے اسے دنیا اور خود اپنے مقاصد کے بارے میں کیا علم ہوتا ہے؟

جواب: جو اس دنیا کے باطن پر نظر ڈالتا ہے اسے دنیا اور خود اپنے مقاصد کا علم ہوتا ہے۔ وہ اس دنیا سے صرف اتنا استفادہ کرتا ہے جس سے وہ اپنے مقاصد کے حصول میں مدد لے سکے جن کے لئے اس کو تخلیق کیا گیا ہے اور اپنی عمر میں فرصت کو غنیمت جانتا ہے۔ وہ دنیا کو راہ

گزر سمجھتا ہے، آرام کی منزل نہیں۔ وہ اسے انتہائی دشوار اور تکلیف دہ سفر سمجھتا ہے، عیش و آرام کا گھر نہیں۔ پس وہ اپنے رب کی معرفت کے حصول، اس کے احکام کے نفاذ اور اپنے اعمال کو مقام احسان پر پہنچانے کے لئے پوری جدوجہد کرتا ہے۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین منازل میں قیام کرے گا۔ وہ ہر قسم کے اکرام و تکریم، نعمتوں اور مسرتوں کا مستحق ہوگا۔ جب فریب خوردہ لوگ دنیا کے ظاہر کو دیکھتے تھے تو اس شخص کی نظر دنیا کے باطن پر تھی، جب لوگ حصول دنیا کے لئے کام کرتے تھے تو یہ اپنی آخرت کے لئے کام کرتا تھا۔ دونوں فریقوں میں بہت بڑا فرق اور دونوں گروہوں کے درمیان بہت بڑا تفاوت ہے۔ (تفسیر سعدی: 1499/2)

﴿اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴾

”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے؟“ (9)

سوال 1: ﴿اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴾ ”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴾ ”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے؟“ یہاں اصحاب کہف کا واقعہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

(2) اصحاب کہف کے قصہ اور ان کے واقعات کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے سامنے انہونی بات، اس کی حکمت میں انوکھا واقعہ نہ سمجھو اور نہ یہ سمجھو کہ اس کی کوئی نظیر نہیں اور اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار تعجب خیز معجزات ہیں جو اصحاب کہف کے معجزے کی جنس میں سے ہیں یا اس سے بھی بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے بندوں کو آفاق اور ان کے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھاتا رہا ہے جن سے حق و باطل اور ہدایت و ضلالت واضح ہوتے ہیں۔ نفی سے مراد یہ نہیں کہ اصحاب کہف کا قصہ عجائبات میں سے نہیں بلکہ یہ قصہ تو اللہ تعالیٰ کے معجزات میں سے ہے اور اس سے صرف یہ مراد ہے کہ اس جنس سے اور بہت سے معجزات ہیں، اس لئے صرف اس ایک معجزے پر تعجب کے ساتھ ٹھہر جانا علم و عقل میں نقص ہے۔ بندہ مومن کا وظیفہ تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام آیات میں غور و فکر کرے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ کیونکہ غور و فکر ایمان کی کلید اور علم و ایقان کا راستہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 1500/2)

(3) الکھف سے مراد پہاڑ کے اندر ایک غار ہے، اور رقیم سے مراد کتبہ ہے جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کا واقعہ درج تھا کہ وہ طویل زمانے تک اس غار میں پڑے رہے ہیں۔

(4) اللہ تعالیٰ کی قدرت کے واقعات تو بہت بڑے ہیں۔ آسمان اور زمین کی پیدائش، رات اور دن کا آنا جانا، نظام شمسی اور سورج اور چاند کا تابع ہونا سب تعجب خیز واقعات ہیں اور اس سے بھی بڑی چیز اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم کتاب و سنت ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ نے جو علم نبی ﷺ کو دیا اور اُمی ہونے کے باوجود جس طرح آپ ﷺ کے توسط سے دنیا کے امن کے لیے علم و عمل کے جو طریقے کتاب وسنت کے ذریعے سکھائے وہ غار اور کتبوں والوں سے زیادہ تعجب خیز ہیں۔

سوال 2: اصحاب کہف کا واقعہ کس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے؟

جواب: اصحاب کہف کا واقعہ یہاں یہ حقیقت واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ جب دلوں کے اندر ایمان اُتر جاتا ہے تو دل کیسے سکون اور اطمینان سے بھر جاتے ہیں اور دُنیا کی دلکشیاں اور دل فریبیاں ایسے لوگوں کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

سوال 3: اصحاب کہف کے واقعے سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: (1) اصحاب کہف کا واقعہ بتاتا ہے کہ سچے اہل ایمان کی زندگی میں ایسے شدید حالات پیدا ہوتے ہیں کہ انہیں کسی غار میں پناہ لینی پڑ جاتی ہے۔

(2) یہ واقعہ بتاتا ہے کہ زندہ انسانوں کے لیے بظاہر جو غار، قبر یا مشکل حالات موت کے مترادف ہوتے ہیں وہیں سے زندگی اور حرکت پھوٹ نکلتی ہے۔

(3) یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ایمان والوں کی تاریخ بدلنے کے لیے جب ماحول میں مخالفت شدید ہو جاتی ہے اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ ایمان والے ختم ہو جائیں گے وہیں سے نئی تاریخ کا آغاز ہو جاتا ہے۔

سوال 4: ''رقیم'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) کچھ لوگوں کے نزدیک رقیم سے مراد وہ بستی ہے جس سے اصحاب کہف گئے تھے۔

(2) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہ پہاڑ ہے جس میں غار واقع تھا۔

(3) کچھ لوگوں نے رقیم کو مرقوم کے معنوں میں لیا اور کہا کہ یہ ایک تختی ہے جس پر اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے ہیں اُسے رقیم کہتے ہیں۔

(4) جدید تحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس پہاڑ میں غار واقع ہے اس کے قریب ایک آبادی ہے جسے الرقیب کہتے ہیں جو ''رقیم'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

سوال 5: اصحاب کہف کون تھے؟

جواب: کہا یہ جاتا ہے کہ مسیحی تاریخ میں جنہیں (Seven Sleepies) سات سونے والے کہا گیا وہ اصحاب کہف ہیں۔ اگر وہ اصحاب کہف ہیں تو یہ واقعہ افیس (Ephesus) کا ہے۔ یہ قدیم زمانے کا شہر ہے جو ترکی کے مغربی ساحل پر واقع تھا جس کے کھنڈر آج بھی پائے جاتے ہیں۔ 251249 میں اس علاقے میں رومی حکمران ڈیسس (Desues) کی حکومت تھی۔ یہاں چاند کی پوجا کی جاتی تھی۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے توسط سے جب توحید کی دعوت پھیلنے لگی تو بادشاہ برداشت نہیں کر سکا۔ اصحاب کہف افیس کے اعلیٰ گھرانوں کے سات نوجوان تھے جنہوں نے توحید کی دعوت قبول کر کے دوسروں تک پہنچانی شروع کر دی تھی۔

﴿اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾

''جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر اور ہمیں ہمارے کام میں راہ نمائی عطا فرما دیجیے'' (10)

سوال 1: ﴿اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ ''جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر اور ہمیں ہمارے کام میں راہ نمائی عطا فرما دیجیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ﴾ ''جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی'' وہ چند نوجوان تھے جو سیدھے راستے پر تھے اور حق کی طرف مائل تھے، وہ اپنی قوم کے فتنے اور عذاب سے بچنے کے لئے ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ جب وہ نوجوان غار میں داخل ہو رہے تھے تو اپنے رب سے دعا کر رہے تھے۔

(2) ﴿فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً﴾ ''تو اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر'' یعنی اپنی رحمت کے ذریعے ہمیں نیکی کی توفیق دے، اور برائی سے بچا لے اور ثابت قدمی عطا فرما۔

(3) رحمت سے مراد آخرت میں مغفرت، دشمنوں سے امن میں ہونا اور دنیا کا رزق ہے۔ (فتح القدیر: 842/3)

(4) ﴿وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ ''اور ہمیں ہمارے کام میں راہ نمائی عطا فرما دیجیے'' یعنی رشد و ہدایت تک پہنچانے والا ہر راستہ ہمارے لئے آسان فرما دے اور ہمارے دینی اور دنیاوی امور کی اصلاح کر۔ پس وہ کوشش کے ساتھ اپنی قوم کی تعذیب اور فتنہ سے فرار ہو کر ایسے محل و مقام کی طرف بھاگ گئے جہاں ان کے لئے چھپنا ممکن تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ اور اپنے نفس اور مخلوق پر بھروسہ کئے بغیر، اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے آسانی کا سوال کرتے رہے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے لئے ایک ایسا امر مقرر کر دیا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔ (تفسیر سعدی: 1500/2)

(5) نبی ﷺ دعا کرتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ﴾

''اے اللہ ہمارے تمام امور کے انجام کو اچھا بنا دے اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ دے۔ (احمد 17628)

سوال 2: اصحاب کہف کے واقعے میں نوجوانوں کے لیے کیا سبق ہے؟

جواب: (1) اصحاب کہف کے واقعے میں نوجوانوں کے لیے بڑا سبق ہے۔آج کا نوجوان فضول کاموں میں وقت برباد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتا جب کہ اصحاب کہف نے اپنے وقت کو بچایا اور دُنیا کے سب سے بڑے کام یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو بچانے کی اور اُس کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

(2) اصحاب کہف نے اپنی جوانیاں رب کے نام لگا دی تھیں۔آج کے نوجوانوں کو بھی اپنی جوانیاں اور صالحیت رب کی عبادت میں گزارنے کی ضرورت ہے۔

(3) اصحاب کہف نے اپنی زندگی کی حقیقت سمجھ لی تھی کہ زندگی عارضی ہے۔لوٹ کر رب کے پاس جانا ہے۔آج کے نوجوان کو بھی اس دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے آخری عمر میں نیکی کا راستہ اختیار کرلیں گے۔

؎ درجوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری است

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ؎ وقت پیری گرگ ظالم شود پرہیزگار

جو فضلیت جوانی میں عبادت اور تقویٰ کی ہے وہ بڑھاپے میں کہاں ہے!

سوال 3: اصحاب کہف نے غار میں کیوں پناہ لی؟

جواب: اصحاب کہف نے حکومتی سختیوں کی وجہ سے شہر سے نکل کر قریبی پہاڑ کے غار میں پناہ لی۔

سوال 4: اصحاب کہف غار میں کیا چھپانے گئے تھے؟

جواب: اصحاب کہف غار میں اپنا ایمان چھپانے گئے تھے کیونکہ لوگوں کے درمیان آزاد رہتے ہوئے وہ اپنا ایمان نہیں چھپا سکتے تھے۔

سوال 5: اصحاب کہف نے غار میں کس چیز کی دُعا کی تھی؟

جواب: اصحاب کہف نے غار میں اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب کی تھی اور اپنے معاملے کی درستگی کے لیے دُعا کی تھی۔

﴿فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا﴾

''چنانچہ ہم نے گنتی کے کئی سال تک اس غار میں اُن کے کانوں پر پردہ ڈال دیا'' (11)

سوال 1: ﴿فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا﴾ ''چنانچہ ہم نے گنتی کے کئی سال تک اس غار میں اُن کے کانوں پر پردہ ڈال دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا﴾ ''چنانچہ ہم نے گنتی کے کئی سال تک اس غار میں اُن کے کانوں پر پردہ ڈال دیا'' اللہ تعالیٰ نے غار میں گھستے ہی ان پر نیند ڈال دی۔

(2)﴿سِنِيْنَ عَدَدًا﴾ ''گنتی کے کئی سال'' یہ تین سونو سال کا عرصہ ہے۔ وہ برسوں سوتے رہے۔

(3)اصحاب کہف کی نیند میں ان کی حفاظت اور اطمینان دونوں ہی شامل تھے۔ان کی نیند میں دل کا اضطراب اور خوف نہیں تھا۔

سوال3: پردے ڈالنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب:اس کا مطلب ہے گہری نیند سلا دیا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے کانوں پر پردے کیوں ڈال دیئے تھے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے کانوں پر پردے اس لیے ڈالے تھے تا کہ باہر کی آوازوں سے اُن کی نیند میں خلل نہ آئے۔

﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا﴾

''پھر ہم نے اُنہیں اُٹھایا کہ ہم جان پائیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مدّت کو بہتر شمار کرنے والا ہے، جو وہ ٹھہرے؟'' (12)

سوال1:﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا﴾ ''پھر ہم نے اُنہیں اُٹھایا کہ ہم جان پائیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مدّت کو بہتر شمار کرنے والا ہے، جو وہ ٹھہرے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ﴾ ''پھر ہم نے اُنہیں اُٹھایا'' یعنی ہم نے انہیں طویل نیند سے اٹھایا۔

(2)﴿لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا﴾ ''کہ ہم جان پائیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مدّت کو بہتر شمار کرنے والا ہے، جو وہ ٹھہرے؟'' تا کہ ہم دیکھیں کون نیند کی مدت کو ٹھیک ٹھیک شمار کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے انہیں اُٹھایا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پُوچھ گچھ کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''کتنی دیر رہے ہو تم؟'' انہوں نے کہا: ''ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں۔'' وہ بولے کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی دیر رہے ہو؟ چنانچہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے یہ چاندی (کے سکے) دے کر شہر بھیجیں، پس چاہیے کہ وہ دیکھے کہ زیادہ صاف ستھرا کھانا کہاں ہے؟ پھر اسی میں سے کچھ تمہارے کھانے کو لائے اور وہ نرمی اور باریک بینی کی کوشش کرے اور تمہارے متعلق کسی کو ہرگز نہ معلوم ہونے دے۔'' (الکہف:19)

(3) یعنی وہ اٹھیں اور ایک دوسرے سے سونے کی مدت، اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور رحمت کے بارے میں سوال کریں۔ اگر وہ ہمیشہ سوتے رہتے تو کسی کو واقعہ کی اطلاع نہ ہوتی۔

سوال 2: یہاں بعث سے کیا مراد ہے؟

جواب: بعث سے مراد طویل نیند سے اُٹھانا ہے۔

سوال 3: دوگروہوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: (1) اس سے مراد اصحاب کہف کے دوگروہ ہیں۔

(2) کچھ لوگوں کا خیال ہے اختلاف کرنے والے لوگ مراد ہیں جو یا تو اسی دور کے تھے یا عہد رسالت کے۔

سوال 4: اصحاب کہف میں اختلاف کس چیز پر تھا؟

جواب: اختلاف سونے کی مدت پر تھا۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو اُٹھانے کا کیا مقصد بتایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے تا کہ پتہ چل جائے کہ اس مدت کو کس نے زیادہ یاد رکھا ہے۔

رکوع نمبر 2

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى﴾

''اور ہم اُن کا برحق قصہ آپ پر بیان کرتے ہیں، بلاشبہ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُنہیں ہدایت میں زیادہ کیا تھا'' (13)

سوال 1: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ ''اور ہم اُن کا برحق قصہ آپ پر بیان کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ ''اور ہم اُن کا برحق قصہ آپ پر بیان کرتے ہیں'' یہاں سے اصحاب کہف کے واقعے کا آغاز ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے سچائی کے ساتھ اپنے نبی سے اس قصے کو بیان کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

سوال 2: ﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى﴾ ''بلاشبہ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُنہیں ہدایت میں زیادہ کیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ﴾ ''بلاشبہ وہ چند نوجوان تھے'' اصحاب کہف کے واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ چند نوجوان تھے۔

(2) ﴿اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ ''جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے'' جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے مگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تھی۔

(3) یہ نوجوان اپنی مشرک قوم کے برعکس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے عقیدہ میں ایسی پختگی دی کہ انہوں نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی راہ اختیار کر لی اور تمام دنیاوی آرام و آسائش سے منہ موڑ کر غار

میں رہنا گوارا کی۔(تیسیر الرحمن:835/1)

(4)حافظ ابن کثیر نے ﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ﴾ سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بوڑھوں کے مقابلہ میں نوجوان حق کو جلد قبول کرتے ہیں۔(تیسیر الرحمن:835/1)

(5)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو نوجوان ہی بھیجا اور یہ آیت تلاوت کی ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ﴾ ''لوگوں نے کہا: ''ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا ہے جسے ابراہیم کہا جاتا ہے'' (الانبیاء:60)

(6)وہ سرکش بوڑھوں سے اچھے تھے جو باطل پر ڈٹے ہوئے تھے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی باتیں قبول کرنے والے تھے۔قریش کے عام معمر لوگ شرک پر ہی قائم رہے اور چند کے سوا ان میں سے کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ٹھیک اسی طرح پروردگار عالم نے اصحاب کہف کے بارے میں بتایا کہ وہ بھی نوجوان ہی تھے(مختصر ابن کثیر:1083/1)

(7)﴿وَزِدْنٰهُمْ هُدًى﴾ ''اور ہم نے اُنہیں ہدایت میں زیادہ کیا تھا'' اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی قدر کی اور ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا۔

(8)اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے رب پر ایمان کو اور ان کی دینی بصیرت کو بڑھا دیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے گھروں سے جدائی کو قبول کر لیا۔(جامع البیان:208/15)(9)ربیع بن انس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص میں بڑھا دیا تھا۔(الدر منثور:36/4)

(10)امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں باب باندھا ہے الایمان یزید و ینقص ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔

(11)اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عمل صالح کو آسان کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف کٹ کر رہنے اور لوگوں سے دوری اور دنیا سے بے رغبتی یہ ایمان میں اضافے والے کام ہیں۔(المحرر الوجیز:501/3،قرطبی:264/5)

سوال 3: ہدایت سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتے ہیں؟

جواب:(1)ہدایت سے مراد علم نافع اور عمل صالح ہے۔

(2)اللہ تعالیٰ ایمان لا کر ہدایت کے راستے پر استقامت سے چلنے کی وجہ سے ہدایت میں اضافہ فرماتے ہیں یعنی جو ایمان لانے کے بعد مسلسل علم نافع کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے اور عمل صالح کے لئے مسلسل بھاگ دوڑ کرے۔

(3)رب العزت نے فرمایا:﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی، اس نے ان کو ہدایت میں بڑھا دیا اور انہیں اُن کو تقویٰ عطا کیا۔'' (محمد:17)

(4)﴿وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ ''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ

کیا؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔‘‘ (التوبہ:124)

(5)﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ’’وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل کی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں اور بڑھ جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہیں آسمانوں اور زمین کے لشکر اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔‘‘ (الفتح:4)

﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا﴾

’’اور ہم نے اُن کے دلوں پر بند باندھ دیا، جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اُس کے سوا ہرگز کسی کو معبود نہ پکاریں گے، بلاشبہ تب تو ہم نے بالکل ہی حد سے گزری ہوئی بات کہی‘‘ (14)

سوال 1: ﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا﴾ ’’اور ہم نے اُن کے دلوں پر بند باندھ دیا، جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اُس کے سوا ہرگز کسی کو معبود نہ پکاریں گے، بلاشبہ تب تو ہم نے بالکل ہی حد سے گزری ہوئی بات کہی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ﴾ ’’اور ہم نے اُن کے دلوں پر بند باندھ دیا‘‘ یعنی ہم نے انہیں صبر الہام کیا اور ان کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کیا۔ (جامع البیان:208/15) (2) یعنی ہم نے انہیں صبر وثبات عطا کیا اور انہیں پریشانیوں میں اطمینان عطا کیا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے مجاہدہ کرنے کے لیے انہیں صبر سے قوت دی اور انہیں شیطان سے جنگ کے لیے شجاعت عطا کی اور دین کے ساتھ اجنبی جگہوں پر جانے اور نفس کی مخالفت اور حسی لذات اور جسمانی عیش وآرام کی چیزیں ترک کرنے اور کلمۃ اللہ اور کلمہ توحید کے قیام کے لیے شجاعت عطا کی اور یہ بھی کہا گیا کہ انہیں کلمہ توحید کے قیام، اور دین پر استقامت کے اظہار اور جابر بادشاہ کے سامنے حق کی دعوت پیش کرنے کی جرأت عطا کی تھی۔ (تفسیر قاسمی:12/11)

(4) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے انہیں لوگوں کی مخالفت پر صبر عطا کیا اور ان کے عقیدے پر ثبات اور انہیں قوت عزیمت الہام کی۔ (تفسیر منیر:240/8)

(5) اللہ تعالیٰ دلوں کو کمزور کرنے والی رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے مثلاً (i) اصحاب کہف نے ہجرت کی تھی اور اپنے گھر والوں سے جدائی اختیار کی تھی اُس جدائی کے صدمے کو برداشت کرنے کا حوصلہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ (ii) اصحاب کہف نے عیش وعشرت کی زندگی سے محرومی کا

صدمہ اُٹھایا تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور اُن کے دل اُن مصیبتوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوئے۔(iii) اللہ تعالیٰ نے انہیں عقیدے میں پختہ کر دیا تھا۔ جس سچائی کو اُنہوں نے جانا تھا اس کو اُنہوں نے اپنا لیا۔ اُس پر استقامت اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں یہ یقین بٹھایا تھا اس طرح اُن کے دل مضبوط ہو گئے تھے۔

(6) ﴿اِذۡ قَامُوۡا﴾ ''جب وہ کھڑے ہوئے'' (i) یعنی جب وہ اُٹھے۔ یہ اُٹھنا عام لوگوں کی طرح اپنی ضروریات، اپنے رزق، اپنی خواہشات اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے نہیں تھا۔(ii) اصحاب کہف کے قیام سے بعض مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ بادشاہ کے دربار میں جب انہیں طلب کیا گیا تو اُنہوں نے توحید کا وعظ بیان کیا۔(iii) اصحاب کہف کے اُٹھنے سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچانے کے لیے اس کی دعوت و تبلیغ کے لیے اُٹھنا ہے جس کے بعد اُن کی مخالفت زور پکڑ گئی۔ اس کا ثبوت آیت کے اگلے حصے سے ملتا ہے کہ ہمارا رب وہی ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے اور ہم اُسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود نہ بنائیں گے اگر ہم ایسا کریں گے تو سیدھے راستے سے ہٹ جائیں گے۔

(7) ﴿فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے'' بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک دوسرے کو توحید کے وہ دلائل سنائے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ڈالے تھے۔

(8) یعنی جس نے ہمیں پیدا کیا، ہماری پرورش کی، جو ہمیں رزق عطا کرتا ہے اور ہماری تدبیر کرتا ہے وہی تمام کائنات کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ ان عظیم مخلوقات کو پیدا کرنے میں منفرد ہے۔ یہ بت اور خود ساختہ معبود اس کائنات کے خالق نہیں ہیں جو کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں نہ رزق دے سکتے ہیں، وہ کسی نفع و نقصان کے مالک ہیں نہ موت و حیات کے اور نہ موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہیں۔ پس انہوں نے توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کیا۔(تفسیر سعدی:1502/2)

(9) ﴿لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا﴾ ''اُس کے سوا ہرگز کسی کو معبود نہ پکاریں گے'' یعنی ہم مخلوق میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود نہیں بنائیں گے۔

(10) ﴿لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا﴾ ''بلاشبہ تب تو ہم نے بالکل ہی حد سے گزری ہوئی بات کہی'' یعنی اگر ہم نے کسی اور کو معبود مان لیا تو انتہائی غلط بات مان لی کیونکہ شرک باطل، لغو اور بے ہودہ چیز ہے۔

(11) ﴿شَطَطًا﴾ ''بالکل ہی حد سے گزری ہوئی'' حق سے دور، حد سے تجاوز کرنے والی بات کہی۔(تفسیر منیر:240/8)

(12) یہ دلیل ہے کہ اصحاب کہف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت عطا کی گئی تھی اور انہیں اپنے رب کی مکمل معرفت حاصل تھی۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی ذات کے شعوری تعلق اور اس سے محبت کو دین اسلام میں کیا درجہ حاصل ہے؟

جواب: (1) یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ انسانی اعمال کے انضباط کا انحصار فکری یکجہتی و پاکیزگی پر ہے۔

(2) فکری یکجہتی و پاکیزگی کے لئے کسی ایسی ہستی کے ساتھ تعلق ضروری ہے جو انسان کے مادی اور حسی ماحول سے بالاتر ہو۔

(3) اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے شعوری تعلق کو بنیاد بنایا ہے۔

(4) قرآن وسنت کی نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں توحید معبودیت اور توحید ربوبیت کے ادراک سے عبودیت کا شعور پختہ ہوتا ہے، وہاں محبت الٰہی بندہ کی حیات دینی کا مقصود قرار پاتی ہے۔

(5) اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ تعلق باللہ ذات کے شعور ولاشعور کا حصہ بن جائے۔ نبی ﷺ نے بچے کے کان میں اذان کہنے کا طریقہ اختیار فرمایا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا وہ احساس تازہ ہوجائے جو عہد الست میں پیدا ہوا تھا۔

(6) تعلق باللہ ہی وہ واحد اساس ہے جو انسان کو راست روی کی طرف متوجہ کرتی ہے اور پیغمبرانہ طریق تربیت کی بنیاد ہے۔

(7) نبی ﷺ انسان کو ایسی تربیت مہیا کرتے ہیں کہ انسان ہر لحہ اپنے رب سے خاص تعلق رکھتا ہے اور تعامل کی الٰہی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ اس میں خشیت الٰہی اور محبت رب کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے منہج زندگی کی جانب رجوع کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ اس کی خلوتیں ہوں یا جلوتیں، عبادت ہو یا عملی جدوجہد، صنعت وتجارت کی مصروفیات ہوں یا کاروبار سیاست، صلح وآتشی کے لمحات ہوں یا نزاع وجنگ کے اوقات، اس تعلق کی معراج یہ ہے کہ حب الٰہی ہر حال میں غالب ہو۔

(8) اللہ تعالیٰ کی محبت کا تمام محبتوں پر غالب آنا اس تعلق کا فطری نتیجہ ہے رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ''اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں، جو غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ شدید ہیں۔'' (البقرہ:165)

(9) اس اجمال کی تفصیل ایک اور آیت میں بیان فرما دی تاکہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (التوبہ:24)

(10) کتب حدیث میں ﴿اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ﴾ کے ابواب میں نبی ﷺ کے مختلف ارشادات منقول ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حب الٰہی کمال ایمان ودین ہے۔

(11) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پیدا ہوجائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا: اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں، دوسرے یہ کہ وہ کسی انسان سے محض

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت رکھے، تیسرے یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔“ (صحیح بخاری:16)

(12) بندہ جب اپنے رب کی محبت کو اپنے قلب ودماغ میں نشوونما دیتا ہے اور اس کے فکروعمل کے دائرے اس مرکز سے شروع ہوتے ہیں اور یہیں ختم ہوتے ہیں تو پھر اسی محبوبیت ومعیت کا مقام حاصل ہوتا ہے جو فی الواقع فرد کی زندگی میں معراج کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن پاک میں اس معیت کی جانب یوں اشارے ملتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ ”یقینا اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے جو اس سے ڈر گئے اور ان لوگوں کے جو نیکی کرنے والے ہیں۔“ (النحل:128)

(13) مصائب ومشکلات میں یہ معیت سکون واطمینان اور اعتماد وشجاعت کا باعث ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے احساس معیت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا: ﴿اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ ”بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے، یقیناوہ میری راہ نمائی کرے گا۔“

(14) نبی ﷺ نے ہجرت کے موقع پر اس ﷺ حساس معیت کا اظہار اس تبلیغی انداز سے فرمایا کہ قلب وجان، سکون وطمانیت سے معمور ہوجاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ ”غمگین نہ ہونا بلا شبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے“ رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس رویہ کی وضاحت فرمائی ہے جو بندے کی محبت کے نتیجے میں ظاہر ہوتا ہے۔

(15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جرائیل علیہ السلام کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ پھر جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں اعلان کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے۔ پھر اس بندے کے لئے زمین میں بھی قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو ناپسند کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندے کو ناپسند کرتا ہوں تو بھی اسے ناپسند کر۔ جبریل علیہ السلام بھی اسے ناپسند کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں اعلان کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو ناپسند کرتا ہے تم بھی اسے ناپسند کرو اور پھر اس کے لئے زمین میں بھی ناپسندیدگی رکھ دی جاتی ہے۔“ جب مقصود قرب الٰہی ہے تو اس کے حصول کا طریقہ بھی آنا چاہیے۔ قرآن وسنت نے محبت خداوندی اور معیت الٰہیہ کے حصول کا طریق بھی بیان کیا تا کہ مسلمان کو کسی طرح کی دِقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔“ (آل عمران:31) (16) نبی ﷺ کا اتباع محبوبیت الٰہی کا باعث ہے یہی وہ معیار ہے جس سے راستے اور منزل کا صحیح تعین ہوتا ہے۔

(17) آپ نے اس طریقے کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ حدیث قدسی ہے: ”اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کرکے مجھ سے اتنا نزدیک ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ

جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں۔(صحیح بخاری:6502)

(18) سورۃ المزمل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتدائی آیات دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نبی ﷺ کو جن اعمال کا حکم ہو رہا ہے وہی فی الحقیقت قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿١﴾ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢﴾ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿٣﴾ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿٤﴾ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ﴿٥﴾ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ﴿٦﴾ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ﴿٧﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾ رَّبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ﴿١١﴾﴾

''اے چادر اوڑھنے والے! رات کو قیام کرو مگر کم۔ آدھی رات یا اُس سے تھوڑا کم کرلو۔ یا اُس پر کچھ اضافہ کرلو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ یقیناً ہم جلد ہی آپ پر ایک بھاری کلام نازل کریں گے۔ بلاشبہ رات کا اُٹھنا نفس کو زیادہ پامال کرنے والا اور بات کو زیادہ درست بنانے والا ہے۔ یقیناً دن میں آپ کے لمبے کام ہیں۔ اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور ہر طرف سے منقطع ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ مشرق ومغرب کا رب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں چنانچہ اُسی کو اپنا وکیل بناؤ۔ اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو اور انہیں چھوڑ دو، اچھے طریقے سے چھوڑنا۔ اور مجھے اور جھٹلانے والے خوش حال لوگوں کو چھوڑ دو اور اُنہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔'' (المزمل:1,11)

(19) گویا تعلق باللہ کو مستحکم کرنے کے لئے عبادت، ذکرالٰہی، مجاہدہ نفس، اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس اور دعا وہ عناصر ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ دین کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن وسنت اور دینی ادب میں ان موضوعات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ یہاں صرف اشارات سے کام لیا گیا ہے۔(انسان کامل صفحہ:264,268)

﴿هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَّوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾

''ہماری اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ چنانچہ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے؟'' (15)

سوال 1:﴿هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَّوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ﴾ ''ہماری اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ ''ہماری اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں'' اصحاب کہف اپنی قوم کے شرک کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ ہماری قوم تو کھلی مشرک ہے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے۔

(2)﴿لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ﴾ ''وہ ان کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟'' یہ شرک پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لے کر آتے۔انہوں نے واضح کیا کہ شرک یقین پر نہیں جہالت اور گمراہی پر مبنی ہے۔

(3) یہ بات اسلامی عقیدے کا حصہ ہے کہ انسان جو طریقہ زندگی اختیار کرے اس کے پاس اُس کے لیے ایسی دلیل ہو جو عقل کے مطابق ہو۔

(4) ''وہ ان کے حق میں کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟'' کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اصحاب کہف اور ان کی قوم کے بڑے لوگوں کے درمیان مدتوں ایک بحث جاری رہی۔اس دوران اُن کے بڑوں نے جو باتیں انہیں کہیں اس میں اُن کے شرک کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی۔

سوال2:﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ ''چنانچہ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے؟ لہٰذا مشرک غیر انصاف پسند اور جھوٹے ہیں کہ توحید چھوڑ کر شرک پر اڑے ہوئے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:1084/1)

(2) اصحاب کہف نے واضح کیا کہ بے دلیل اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا دراصل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

(3) اصحاب کہف نے اگرچہ اپنے بڑوں کی مخالفت کا سامنا کیا لیکن اُنہوں نے بڑوں کی بڑائی کو اہمیت نہ دی۔اُنہوں نے سچائی کی دلیل کو اہمیت دی جس کی وجہ سے انہیں وقت کے بڑے ظاہری طور پر سارے اسباب رکھنے کے باوجود چھوٹے نظر آئے۔انہیں ان کا ظلم نظر آنے لگا کیونکہ وہ جھوٹ کی زمین پر کھڑے حق کو چیلنج کر رہے تھے۔

(4) اصحاب کہف بڑوں کی بڑائی کو اہمیت دیتے تو وہ بے یقینی اور تذبذب کا شکار ہو جاتے۔

﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا﴾

''اور جب تم اُن سے الگ ہو چکے اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا عبادت کرتے ہیں تو کسی غار میں پناہ لے لو،تمہارا رب تم پر اپنی کچھ رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں تمہارے لیے آسانی مہیا کرے گا'' (16)

سوال1: ﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَأْوٗا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا﴾ ''اور جب تم اُن سے الگ ہو چکے اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا عبادت کرتے ہیں تو کسی غار میں پناہ لے لو، تمہارا رب تم پر اپنی کچھ رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں تمہارے لیے آسانی مہیا کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ ''اور جب تم اُن سے الگ ہو چکے اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا عبادت کرتے ہیں''، یعنی جب تم ان سے اور ان کے معبودوں سے جدا ہو رہے ہو اور یہ جدائی دینی طور پر ہے اس لئے اب ان سے جسمانی طور پر بھی الگ ہو جاؤ۔ یہ ان کے شر سے نجات پانے کے لئے ضروری ہے کیونکہ اب ان کے ساتھ رہا نہیں جا سکتا۔ ان کا دین اور ان کی قوم کا دین فرق ہو گیا۔ (2) ﴿فَأْوٗا اِلَى الْكَهْفِ﴾ ''تو کسی غار میں پناہ لے لو'' یعنی اب غار میں چل کر آرام کرو۔

(3) اصحاب کہف اور ان کے بڑوں کی سوچ کا انداز، اُن کی زندگیاں، اُن کے طور طریقے جدا ہو چکے تھے اس لیے اُن کے باہم ایک جیسا ہونے کا کوئی موقع باقی نہیں رہا تھا اس لیے وہ اپنے بڑوں سے کنارہ کش ہو گئے۔

(4) اصحاب کہف کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر نہیں بھیجا تھا کہ وہ اپنی قوم سے مقابلہ کرتے، اپنے عقائد پر جمے رہتے، وہ دعوت دیتے اور اس انجام کو پہنچتے جس کو رسول پہنچتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جنہیں ایمان کی روشنی مل گئی تھی۔ اگر وہ اپنے عقیدے کی زیادہ تبلیغ کرتے تو اُن کے لیے زندہ رہنا مشکل ہو جاتا۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ نہ مقابلہ کر سکتے تھے، نہ انہیں سیدھے راستے پر لا سکتے، نہ اُن کے بتوں کی عبادت کر سکتے تھے، نہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ سکتے تھے اور کافر ان کے حالات کے بارے میں جان چکے تھے اس لیے اپنے ماحول سے ہجرت کرنے یعنی جسمانی طور پر بھی علیحدگی اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

(5) (i) انسان جب حق کی خاطر انسانوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے تو عین اُس وقت اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتا ہے۔

(ii) انسان جب انسانوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے تو رب سے سرگوشیاں کرتا ہے۔ رب سے کلام کرتا ہے، رب کو یاد کرتا ہے اور رب کے قرب ہو جاتا ہے اور رب سے جڑ جاتا ہے۔

(6) ﴿يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ ''تمہارا رب تم پر اپنی کچھ رحمت پھیلا دے گا'' (i) انسان کو جب ایک رب کی قربت نصیب ہوتی ہے تو یہ تعلق ایک رب کے سوا ہر چیز کے کھو جانے کو برداشت کرنے کے لیے تیار کر دیتا ہے۔

(ii) انسان رب کے مقابلے میں جو چیز کھو دیتا ہے وہ بظاہر بڑی دکھائی دیتی ہے مگر حقیقتاً وہ بہت چھوٹی ہے۔ (iii) ایک رب کی پہچان، اُس کی رضا انسان کو تیار کر دیتی ہے کہ انسان ہر چیز کی محرومی کو گوارا کر لے مگر حق سے محرومی کو گوارا نہ کرے۔ اصحاب کہف نے انسانوں کے ماحول میں جو گھٹن، تنگی، تعصب پایا اُنہیں غار میں اُس گھٹن کی بجائے رب کی رحمت کی چھاؤں آرام، سکون اور ٹھنڈک ملی۔

(7) زندگی میں انسان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تو تنگ جگہ بھی کشادہ میدان نظر آتی ہے۔

(8) اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے اصحاب کہف کو دُنیا کی رونقیں بے حقیقت اور رب کی رحمت میں وسعت نظر آتی ہے۔

(9) ﴿وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا﴾ ''اور تمہارے کام میں تمہارے لیے آسانی مہیا کرے گا'' انہوں نے اپنی قوت واختیار سے برأت کا اظہار کیا، اپنے معاملے کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کے حضور ملتجی ہوئے اور اس پر بھروسہ کیا کہ وہ ان کے معاملے کی اصلاح کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی بے پایاں رحمت سے ڈھانپ لیا اور ان کے معاملے میں آسانی پیدا کر دی۔ ان کی زندگی اور ان کے دین کی حفاظت کی اور خلائق کے لئے انہیں ایک بڑا معجزہ بنا دیا اور ان کی ثنائے حسن کو دنیا میں پھیلا دیا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور انکے لئے ہر سبب آسان کر دیا حتیٰ کہ وہ جگہ جہاں وہ سوتے رہے ممکن حد تک محفوظ تھی۔ (تفسیر سعدی:1503/2)

(10) اصحاب کہف کے بارے میں بادشاہ کو خبر ملی۔ اس نے سراغ رسانوں سے ڈھنڈوایا لیکن کوئی سراغ نہ لگا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی آنکھوں سے اوجھل رکھا۔ (مختصر ابن کثیر:1/1085)

(11) ﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (٢٦) وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (٢٧)﴾ ''پھر لُوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا: ''یقیناً میں اپنے رب کے لئے ہجرت کرنے والا ہوں یقیناً وہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ اور ہم نے اُسے اسحٰق اور یعقوب عطا فرمائے اور اُس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور ہم نے اُسے دنیا میں بھی اُس کا اجر عطا کیا اور آخرت میں یقیناً وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔'' (العنکبوت:27,26)

سوال 2: اصحاب کہف کے واقعے سے کیا حقیقت منکشف ہوتی ہے؟

جواب: (1) اصحاب کہف کے واقعے سے انسان پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ظاہری دُنیا کی کوئی قدرت و قیمت نہیں جس کو دنیا کی حقیقت سمجھ آجاتی ہے وہ ہر چیز رب کے لیے نچھاور کر دیتا ہے۔

(2) ظاہری دُنیا کے سامان میں وہ گھر، مال، اولاد اور گھر والے آتے ہیں جو انسان کو اس کے عقیدے کے مطابق جینے نہیں دیتے۔ انسان کے لیے جینا تنگ اور مشکل بنا دیتے ہیں جب کہ یہ سب رونقیں ختم ہو جانے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔

(3) انسان پر اس واقعے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ایمان کی دُنیا کا مال و متاع کچھ اور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس، اللہ تعالیٰ کی رِضا، اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ پر توکل یہ انسانی زندگی کو اطمینان سے بھر دینے والا ساز وسامان ہے۔ ایک مؤمن اِن ہی کے سائے میں زندگی بسر کرتا ہے۔ (4) یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے فرار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1508/2)

﴿وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ

الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿﴾

''اور آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب چلا جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو اُن کے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہ کردے پھر آپ اُس کے لیے راہ نمائی کرنے والا کوئی دوست ہرگز نہ پائیں گے'' (17)

سوال 1: ﴿وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾ ''اور آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب چلا جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو اُن کے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ ''اور آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب چلا جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو اُن کے بائیں جانب کترا جاتا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج کی تمازت سے ان کی حفاظت کی۔ انہیں ایک ایسا غار مہیا کیا کہ جب سورج طلوع ہوتا تو اس کے دائیں طرف سے گزر جاتا اور جب غروب ہوتا تو اس کی بائیں طرف سے گزر جاتا اس طرح سورج کی تمازت ان تک نہ پہنچ پاتی، جو ان کے ابدان کو خراب کرتی۔ (تفسیر سعدی: 1503/2)

(2) ﴿وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾ ''اور وہ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں ہیں'' یعنی وہ غار کے اندر کھلی جگہ میں تھے تاکہ وہاں سے تازہ ہوا کا گزر ہو اور یوں گھٹن اور گلنے سڑنے سے بچے رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کی نشانی ہے۔

سوال 2: ﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) غار میں اصحاب کہف کو سورج کی شعاعوں سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

(2) غار میں سورج کی روشنی فراہم کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

(3) اُن کے کھلی جگہ ہونے کے باوجود دھوپ نہ پڑنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

(4) غار کے اندر اُن کا اس حال میں رکھنا کہ نہ وہ وفات پاتے ہیں اور نہ حرکت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ اصحاب کہف کو اپنے دلوں میں زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔

(5) یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے اس نے انہیں توحید کی دعوت دی۔ ان کے آباء اور ان کی قوم نے مخالفت کی اور بادشاہ اور ان کے

درمیان جو حادثہ پیش آیا اور انہوں نے غار میں پناہ لی۔ اسی طرح سورج طلوع اور غروب ہونے کے وقت بچ کر نکل جانا اور آپ کو ان کے قصے کی اطلاع ہونا سب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے جو اس کے کمال قدرت پر دلیل ہے اور اس پر کہ توحید ہی دین حق ہے اور اس پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے اہل (یعنی اہل اللہ) کا اکرام کرتا ہے۔(تفسیر مراغی:383/5)

سوال 3:﴿مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا﴾ ''جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے پھر آپ اُس کے لیے راہ نمائی کرنے والا کوئی دوست ہرگز نہ پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ﴾ ''جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت پر قدرت رکھتا ہے اس کے ماسوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

(2) جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے وہی حق کے راستے تک پہنچنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات اور دلائل سے حق کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔(جامع البیان:214/15)(3) دین اور دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ ہی ہادی ہے۔

(4)﴿وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا﴾ ''اور جسے وہ گمراہ کر دے پھر آپ اُس کے لیے راہ نمائی کرنے والا کوئی دوست ہرگز نہ پائیں گے'' جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے یعنی اپنی آیات اور دلائل سے تو آپ اس کے لئے کوئی ایسا نہیں پائیں گے جو اس کی سرپرستی کرے یا اس کے معاملات کی تدبیر کرے۔(5) اور وہ ایسی کوئی ہستی نہیں پائیں گے جو نیکی کی طرف راہ نمائی کرے۔

(6) جس کے لئے اللہ تعالیٰ گمراہی کا فیصلہ کر دے اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

(7) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے غزوہ خندق کے دن رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہمارے ساتھ مٹی اٹھا رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے'' واللہ اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے، نہ روزہ رکھ سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے۔ پس اے اللہ! ہم پر سکینت نازل فرما اور جب آمنا سامنا ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور مشرکین نے ہم پر زیادتی کی ہے۔ جب وہ کسی فتنہ کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔'' (صحیح بخاری:6620)

رکوع نمبر 3

﴿وَتَحۡسَبُهُمۡ اَیۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡیَمِیۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَکَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَیۡهِ بِالۡوَصِیۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَیۡهِمۡ لَوَلَّیۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا﴾

''اور آپ انہیں جاگتا ہوا خیال کریں گے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم انہیں دائیں اور بائیں کروٹ دلاتے ہیں اور ان کا

کتا غار کی دہلیز پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہے، آپ انہیں جھانک کر دیکھیں تو ضرور بھاگتے ہوئے الٹے پاؤں پھر جائیں اور آپ کو ضرور ان کی دہشت سے بھر دیا جائے'' (18)

سوال1: ﴿وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ﴾ ''اور آپ انہیں جاگتا ہوا خیال کریں گے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ﴾ ''اور آپ انہیں جاگتا ہوا خیال کریں گے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں'' اصحاب کہف کو دیکھنے والے شخص کو یوں لگتا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ مفسرین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تاکہ خراب نہ ہوں اور ان میں زندگی قائم رہے جیسے بھیڑیا سوتا ہے اس کی ایک آنکھ کھلی رہتی ہے۔ اس لیے دیکھنے والے کو لگتا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ محو خواب تھے۔

سوال2: ﴿وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾ ''اور ہم انہیں دائیں اور بائیں کروٹ دلاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کی حفاظت کے لئے یہ انتظام کیا تھا کہ انہیں دائیں بائیں کروٹ دلواتے رہتے تھے۔

(2) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر انہیں کروٹ نہ دلوائی جاتی تو زمین ان کی کروٹ گلا ڈالتی۔ (جامع البیان: 212/15)

(3) زمین کے ساتھ تو جو چیز پیوست رہتی ہے وہ اس کو کھا جاتی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ دلوائے بغیر یعنی ان کی حفاظت پر قدرت رکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ اس نے تکوینی قوانین میں اپنی سنت کو جاری رکھا اور اسباب کو مسببات کے ساتھ مربوط رکھا۔

سوال3: ﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ﴾ ''اور ان کا کتا غار کی دہلیز پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اصحاب کہف کا کتا بھی دروازے پر پاؤں پھیلائے پہرے داری کر رہا تھا اور غار سے باہر تھا۔

(2) اس پر بھی وہی نیند طاری ہو گئی تھی جو ان پر ہوئی۔

(3) نیک لوگوں کی صحبت کی وجہ سے کتے کا بھی قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے کیونکہ فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جہاں کتا ہو۔ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور نہ ایسے گھر میں جس میں تصویریں ہوں۔'' (بخاری: 5949) (4) حسن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رفاقت کی برکت کتے پر بھی ظاہر ہو گئی۔

(5) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کے پاس آنے کا وعدہ کیا، مگر بہت دیر لگ گئی اور وہ نہ آئے، نبی ﷺ کو اس سے پریشانی ہوئی اور آپ گھر سے نکلے تو ان سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے ان سے شکایت کی تو انہوں نے کہا: ''ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔'' (صحیح بخاری: 5960)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کتا پالتا ہے تو ہر روز اس کی نیکیوں میں سے ایک قیراط کم ہوتا ہے سوائے، بکریوں یا کھیتی کے لیے رکھے کتے یا شکاری کتے کے۔ (صحیح بخاری: 2322)

سوال 4: ﴿لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾ ''آپ انہیں جھانک کر دیکھیں تو ضرور بھاگتے ہوئے الٹے پاؤں پھر جائیں اور آپ کو ضرور ان کی دہشت سے بھر دیا جائے'' غار کے اندر کے ماحول کو پر ہیبت کیوں بنایا گیا؟

جواب: (1) غار کے اندر کے ماحول کو پُر ہیبت اس لیے بنایا گیا تھا تا کہ جو دیکھے مرعوب ہو کر بھاگ اُٹھے۔ ماحول کی دہشت اللہ تعالیٰ کی تدبیر تھی تا کہ وہ اپنے وقت مقرر تک یوں ہی رہیں اور کوئی اُن کے قریب نہ جا سکے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے زمین سے حفاظت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لئے غار میں ہیبت میں رعب طاری کر دیا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ان کی ہیبت میں رعب رکھ دیا تھا کہ جو کوئی انہیں جھانک کر دیکھے اس کا دل رعب سے بھر جائے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے۔ (4) اللہ تعالیٰ نے اس طرح طویل مدت تک سلامتی کا انتظام کیا اور شہر سے قریب ہونے کے باوجود کسی کو علم نہ ہوا۔

(5) شہر سے قریب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے بیدار ہوتے ہی اپنے میں سے کسی کو بھیجا کہ وہ شہر سے کھانا خرید کر لائے اور دوسرے لوگ انتظار کرتے رہے، یہ دلیل ہے کہ شہر ان سے قریب تھا۔

﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴾

''اور اسی طرح ہم نے انہیں اُٹھایا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پُوچھ گچھ کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''کتنی دیر رہے ہو تم؟'' انہوں نے کہا: ''ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں۔'' وہ بولے کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی دیر رہے ہو؟ چنانچہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے یہ چاندی (کے سکے) دے کر شہر بھیجیں، پس چاہیے کہ وہ دیکھے کہ زیادہ صاف ستھرا کھانا کہاں ہے؟ پھر اسی میں سے کچھ تمہارے کھانے کو لائے اور وہ نرمی اور باریک بینی کی کوشش کرے اور تمہارے متعلق کسی کو ہر گز نہ معلوم ہونے دے'' (19)

سوال 1: ﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے انہیں اُٹھایا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پُوچھ گچھ کریں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''کتنی دیر رہے ہو تم؟'' انہوں نے کہا: ''ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں'' وہ

بولے کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی دیر رہے ہو؟" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ﴾ "اور اسی طرح ہم نے انہیں اُٹھایا" یعنی جس طرح اصحاب کہف کو سلایا تھا ویسے ہی صحیح سالم اٹھا دیا۔ ان کے جسموں اور بالوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ 309 سال سوئے تھے۔

(2)﴿لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ﴾ "تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں" تاکہ وہ اپنے سونے کی حقیقت کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں۔

(3)﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ﴾ "ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: "کتنی دیر رہے ہو تم؟" طویل نیند سے جاگ کر ہر شخص اسی طرح سوال کرتا ہے۔ اصحاب کہف بھی قدرتی طور پر آپس میں سوال کرنے لگے کہ وہ کتنی مدت سوئے ہوں گے۔

(4)﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ "انہوں نے کہا: "ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں" جواب دینے والے نے کہا ایک دن یا اس سے کچھ کم کیونکہ وہ غار میں صبح کے وقت داخل ہو کر سو گئے تھے اور جب 309 سال بعد اٹھے تو شام ہو رہی تھی۔ اس لیے انہیں لگا شاید ایک دن ہوا۔

(5)﴿قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ﴾ "وہ بولے کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی دیر رہے ہو؟" انہوں نے اپنے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیا۔ (جامع البیان:216/15) (6) یقیناً اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(7)(i) ایمان والوں کا یہی مزاج ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں اور چونکہ انہیں تردد تھا اس لیے اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی صحیح مدت کو جانتا ہے۔ (ii) ایمان والے ان معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے جن میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اُنہوں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔

سوال 2:﴿فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴾ "چنانچہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے یہ چاندی (کے سکے) دے کر شہر بھیجیں، پس چاہیے کہ وہ دیکھے کہ زیادہ صاف ستھرا کھانا کہاں ہے؟ پھر اسی میں سے کچھ تمہارے کھانے کو لائے اور وہ نرمی اور باریک بینی کی کوشش کرے اور تمہارے متعلق کسی کو ہرگز نہ معلوم ہونے دے" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾ "چنانچہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے یہ چاندی (کے سکے) دے کر شہر بھیجیں، پس چاہیے کہ وہ دیکھے کہ زیادہ صاف ستھرا کھانا کہاں ہے؟ پھر اسی میں سے کچھ تمہارے کھانے کو لائے" غذا انسان کی اہم ضرورت ہے اور بھوک لگنا زندہ انسانوں کی پہچان ہے۔ اس بھوک لگنے کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب کہف نے اگرچہ تین سو سال سے زائد نیند لی تھی مگر وہ زندہ تھے اس لیے اُنہیں کھانے کی فکر لاحق ہوئی۔

(2) اصحاب کہف نے درہم دے کر کھانا خرید کرلانے کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔

(3) اصحاب کہف نے کھانے کے ساتھ پاکیزہ کی شرط عائد کی کہ پاکیزگی مومن کا ذوق ہے یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ اُس دور میں لوگ چونکہ بُت پرست تھے اور حلال وحرام کی تمیز نہ رکھتے تھے اس لیے اُنہوں نے جانے والے سے تلاش کے لیے کہا تا کہ وہ اس علاقے سے کھانا لائے جہاں عیسائی بستے ہوں کیونکہ وہ حلال وحرام کو جانتے ہوں گے وہاں پاکیزہ کھانا مل سکے گا۔

(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ذبیحہ حلال ہے اور وہ طاغوت کے لئے ذبح کرتے تھے۔ اور یہ قول ہے کہ پاک کھانے کی شرط اس لئے بھی لگائی کہ وہ خنزیر کو ذبح کرتے تھے۔ (الدرالمنثور:4/392)

(5)﴿وَلۡيَتَلَطَّفۡ وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا﴾ ''اور وہ نرمی اور باریک بینی کی کوشش کرے اور تمہارے متعلق جو کسی کو ہرگز نہ معلوم ہونے دے'' اصحابِ کہف نے کھانا خرید کرلانے والے کو نرم رویہ اختیار کرنے کو کہا تا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔

(6) اصحاب کہف ڈرتے تھے کہ ان کی جائے پناہ کسی کو معلوم نہ ہو جائے کیونکہ اس طرح اندیشہ تھا کہ شہر کے حکمران پکڑ کر یا تو سنگسار کر دیں گے یا مشرک بنادیں گے۔

﴿اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ فِىۡ مِلَّتِهِمۡ وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا﴾

''یقیناً اگر وہ تم پر قابو پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے وہ یا تمہیں اپنے ہی دین میں واپس لے جائیں گے اور تب تم کبھی فلاح نہ پاسکو گے'' (20)

سوال1: ﴿اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ فِىۡ مِلَّتِهِمۡ وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا﴾ ''یقیناً اگر وہ تم پر قابو پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے وہ یا تمہیں اپنے ہی دین میں واپس لے جائیں گے اور تب تم کبھی فلاح نہ پاسکو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ فِىۡ مِلَّتِهِمۡ﴾ ''یقیناً اگر وہ تم پر قابو پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے وہ یا تمہیں اپنے ہی دین میں واپس لے جائیں گے'' اصحابِ کہف کو ڈر تھا کہ ہمارے بارے میں پتہ چل گیا تو کافر ہم پر ٹوٹ پڑیں گے یا تو سنگسار کر دیں گے یا مشرک بنادیں گے۔ (2) انہیں دقیانوس کا خوف تھا کہ اگر اسے خبر ہوئی تو سخت سزائیں دے گا۔

(3)﴿وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا﴾ ''اور تب تم کبھی فلاح نہ پاسکو گے'' یعنی اگر ہم مجبوراً شرک اختیار کر گئے تو ہمارے دین اور دنیا دونوں ہی برباد ہو جائے گی۔

(4) اصحاب کہف کو اس وجہ سے بھی ڈر تھا کہ حکمرانوں کے نزدیک وہ رواجی دین سے نکل چکے تھے اس لیے وہ عقیدے کی تبدیلی پر فتنے

میں ڈال سکتے تھے۔

(5)اصحاب کہف کو یہ اندیشہ تھا کہ جس ایمان کو بچانے کے لیے وہ شہر چھوڑ آئے کہیں ایسا نہ ہو کہ شہر والوں کو علم ہو جائے اور وہ دوبارہ بُت پرست بنانے کی کوشش کریں اور جب ہم اُن سے اس بات پر راضی نہ ہوں تو وہ ہمیں مار ڈالیں۔

(6)اصحاب کہف کو یہ ڈر اس لیے بھی تھا کہ وہ لاعلم تھے۔وہ نہیں جانتے تھے کہ کتنا عرصہ بیت گیا اور جن حکمرانوں سے وہ ڈر رہے ہیں وہ بدل چکے۔

سوال 2:ان آیات سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

جواب:یہ دو آیات کریمہ متعدد فوائد پر دلالت کرتی ہیں:

(1)حصول علم اور علمی مباحثہ پر ترغیب کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی خاطر اصحابِ کہف کو دوبارہ زندہ کیا۔

(2)جب بندے پر علم مشتبہ ہو جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اس علم کو اس شخص کی طرف لوٹا دے جو اس کا عالم ہے اور خود اپنی حد پر ٹھہر جائے۔(3)خرید و فروخت میں وکالت اور اس میں شراکت صحیح ہے۔

(4)اچھی چیزیں اور لذیذ کھانے کھانا جائز ہے جب کہ ان میں اسراف نہ ہو جو ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾خاص طور پر جب کہ انسان کو اس کے سوا کوئی اور کھانا موافق نہ آتا ہو۔شاید یہی آیت کریمہ ان مفسرین کے قول کی بنیاد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اصحابِ کہف بادشاہوں کی اولاد تھے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کھانا لانے والے کو اچھا اور لذیذ کھانا لانے کا حکم دیا تھا کیونکہ خوشحال اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اچھا کھانا تناول کرتے ہیں۔

(5)جب دین میں ابتلا اور فتنہ کا موقع ہو تو اس سے بچنے، چھپنے اور فتنوں کی جگہوں سے دور رہنے کی ترغیب دی گئی ہے، نیز یہ کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے دینی بھائیوں کو چھپائے۔

(6)ان آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں کو دین میں شدید رغبت تھی وہ اپنے دین کے بارے میں ہر قسم کے فتنہ سے دور بھاگتے تھے اور انہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ دیا تھا۔

(7)ان آیات کریمہ میں اس شر کا ذکر ہے جو ضرر اور ان مفاسد پر مشتمل ہے جو اس کی ناپسندیدگی کا باعث اور اس کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور یہ کہ یہ طریقہ تمام متقدمین اور متاخرین اہل ایمان کا طریقہ ہے کیونکہ اہل کہف نے کہا تھا:﴿اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾"یا وہ تمہیں اپنے ہی دین میں واپس لے جائیں گے تب تم کبھی فلاح نہ پاسکو گے۔"(تفسیر سعدی:1505,1507/2)

﴿وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ

بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿

''اور اسی طرح ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ لوگ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بے شک قیامت میں کوئی شک نہیں۔ جب لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنا دو، ان کا رب ہی ان کے متعلق بہتر جانتا ہے۔ جو لوگ ان کے معاملے پر غالب آئے انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ایک مسجد ضرور بنائیں گے'' (21)

سوال 1: ﴿وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ لوگ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بے شک قیامت میں کوئی شک نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ لوگ جان لیں'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے حال سے باخبر کر دیا۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیدار کر دیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے سوال کئے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک شخص کو کھانا لانے کے لیے بھیجا اور اپنے معاملے کو چھپانے کی ہدایت دی۔

(2) مگر اللہ تعالیٰ ایک ایسا معاملہ چاہتے تھے جس میں لوگوں کے لیے بھلائی تھی اور ان کے لیے زیادہ اجر تھا۔

(3) ﴿لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ ''تا کہ لوگ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بے شک قیامت میں کوئی شک نہیں'' اصحابِ کہف میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قیامت کا وعدہ سچا ہے، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس سے پہلے وہ اس امر میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ قیامت اور جزائے اعمال کو مانتے تھے اور بعض اس کا انکار کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے واقعہ کو اہل ایمان کے لئے ان کے یقین وبصیرت میں اضافے اور منکرین کے خلاف حجت وبرہان کا باعث بنایا اور اس تمام قضیے کا اجر اصحاب کہف کو حاصل ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو تشہیر بخشی، ان کی قدر ومنزلت بلند کی یہاں تک کہ ان لوگوں کی بھی عظمت بیان کی جو ان کے احوال پر مطلع ہوئے۔ (تفسیر سعدی: 1508/2)

(4) موت کے بعد کی زندگی کے لیے ہر دور کے انسانوں کو تجسس رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے قرآن حکیم میں اور مثالیں بھی دی ہیں۔

(5) ﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ۟ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا

لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''یا اس شخص کی مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں کے اوپر اوندھی پڑی تھی، اُس نے کہا: ''اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو کیسے زندہ کرے گا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک موت دے دی، پھر اس کو زندہ کیا اور پوچھا: ''تم کتنی دیر رہے؟'' اُس نے کہا: ''میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بلکہ تم سو سال تک رہے، سو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو وہ بالکل بھی خراب نہیں ہوئیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کیسے ہم ان کو اٹھا کر جوڑتی ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں۔'' پھر جب اس پر خوب واضح ہو گیا تو اس نے کہا: ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر واقعتاً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔'' (البقرۃ:259)

(6) ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰي وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰي كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کیا تو یقین نہیں رکھتا؟'' اُس نے کہا: ''کیوں نہیں؟ لیکن اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو پرندوں میں سے چار لے کر انہیں اپنے سے مانوس کرو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہاری طرف بھاگتے چلے آئیں گے۔'' اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (البقرۃ:260)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے قیامِ قیامت اور بعث بعد الموت کو کیسے مجسم صورت میں دِکھا دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے صدیوں اصحابِ کہف کے وجود کو محفوظ رکھ کر، اُن کی زندگیوں کو لوگوں کے لیے بعث بعد الموت اور قیامت کی یاد بنا دیا۔

سوال 3: انسان کے لیے زندگی بعد موت کا معاملہ سمجھنا مشکل کیوں ہے؟

جواب: (1) موت کے بعد کی زندگی کا کسی نے تجربہ نہیں کیا۔ انسان حواس کے ذریعے حاصل ہونے والے علم پر یقین کر لیتا ہے لیکن جو چیز حواس سے ماوراء ہو اس پر یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(2) دُنیا سے جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آئے جبکہ دُنیا کو سبھی انسان برتتے ہیں اس لحاظ سے انسان کے لیے برتی ہوئی چیز پر یقین کرنا آسان اور اَن دیکھی دُنیا کا یقین مشکل ہو جاتا ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے زندگی بعد موت پر کیسے یقین دلایا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو عقلی دلائل کے ذریعے سے سمجھایا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے حسی دلیل کے ذریعے انسانوں کو سمجھایا ہے کہ جیسے پانچویں صدی عیسوی میں اصحاب کہف کا تین سو سال کی نیند یعنی موت کے بعد دوبارہ غار سے نکلنا اسی نوعیت کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودہ انسانی ڈھانچے کو بھی صدیوں تک زندہ رکھ سکتا ہے اور قیامت کا آنا اور موت کے بعد زندگی برحق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

سوال5: ﴿اِذۡ یَتَنَازَعُوۡنَ بَیۡنَہُمۡ اَمۡرَہُمۡ فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَیۡہِمۡ بُنۡیَانًا ؕ رَبُّہُمۡ اَعۡلَمُ بِہِمۡ﴾ ''جب لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنا دو، ان کا رب ہی ان کے متعلق بہتر جانتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذۡ یَتَنَازَعُوۡنَ بَیۡنَہُمۡ اَمۡرَہُمۡ﴾ ''جب لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے'' لوگوں کے درمیان اصحاب کہف کے عقائد کے بارے اختلاف ہو گیا تھا۔

(2) ﴿فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَیۡہِمۡ بُنۡیَانًا﴾ ''تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنا دو'' لوگوں کے درمیان اُن کے بارے میں یہ اختلاف ہو گیا تھا کہ اُن کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیں یا نہ بنائیں۔

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔'' (مسند احمد)

(4) امہات المومنین روایت کرتی ہیں نبی ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں کہنے لگے ''ہم رسول اللہ کی قبر کیسے بنائیں، کیا ہم قبر کو عبادت گاہ بنا لیں؟'' سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے ''یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنا ڈالیں۔'' (ابن زنجویہ)

(5) سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں حیرہ (یمن کا شہر) آیا تو وہاں کے لوگوں کو اپنے حاکم کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ (ان حاکموں کے مقابلے میں) سجدہ کے زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو عرض کیا ''یا رسول اللہ! میں نے حیرہ کے لوگوں کو اپنے حاکم کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ آپ ﷺ سجدہ کے زیادہ حق دار ہیں (یعنی کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کیا کریں؟)'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اچھا بتاؤ اگر میری قبر پر تمہارا گزر ہو تو کیا میری قبر پر سجدہ کرو گے؟'' میں نے عرض کیا ''نہیں۔'' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''پھر اب بھی مجھے سجدہ نہ کیا کرو۔'' (ابو داود)

(6) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ساری زمین مسجد ہے مگر قبرستان اور حمام۔'' (ترمذی: 317)

(7) ﴿رَبُّہُمۡ اَعۡلَمُ بِہِمۡ﴾ ''ان کا رب ہی ان کے متعلق بہتر جانتا ہے'' یہ بات جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کہی کہ ان کے بارے میں صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

سوال6: ﴿قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِہِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیۡہِمۡ مَّسۡجِدًا﴾ ''جو لوگ ان کے معاملے پر غالب آئے انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ایک مسجد ضرور بنائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِہِمۡ﴾ ''جو لوگ ان کے معاملے پر غالب آئے'' یعنی اصحاب اقتدار کہنے لگے۔

(2) ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ایک مسجد ضرور بنائیں گے'' یعنی ہم اس مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس مسجد کی وجہ سے ان کے حالات وواقعات کو یاد رکھیں گے۔ مگر یہ حالت ممنوع اور حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ (بخاری:1330)

(3) یہاں اس کا ذکر کرنا اس کے مذموم نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ آیات کا سیاق اصحاب کہف کی شان اور ان کی مدح وثنا کے بارے میں ہے، یعنی اصحاب کہف کے بارے میں اطلاع پا کر لوگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ یہاں تک کہنے لگے کہ ان پر ایک مسجد تعمیر کر دو۔ کہاں تو اصحاب کہف کو اپنی قوم سے شدید خوف اور اپنے بارے میں اطلاع ہونے کا ڈر تھا اور کہاں یہ حالت تھی جو آپ کے سامنے ہے۔ (تفسیر سعدی:1508/2)

سوال 7: اصحاب کہف لوگوں کی عقیدت کا مرکز کیسے بن گئے؟

جواب: اصحاب کہف کے نام شاہی خزانے کی تختی پر محفوظ کر دیئے گئے تھے جب تصدیق ہوگئی کہ یہ بُت پرستی کے دور میں اپنے عقیدے کی خاطر شہر کو چھوڑ جانے والے لوگ ہیں تو لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن گئے حتیٰ کہ روم کا حکمران تھیوڈوسس ان سے ملنے اور برکت لینے کے لیے چل کر آیا اور اسی نے ان کی یادگار تعمیر کروائی۔

سوال 8: اختلاف کرنے والے کون تھے؟

جواب: (1) اختلاف کرنے والے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔ (2) اختلاف کرنے والے بادشاہ کے ساتھی تھے۔

سوال 9: یہ بات کس کے بارے میں کہی گئی رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ؟

جواب: یہ بات جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کہی کہ ان کے بارے میں صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

سوال 10: غلبہ حاصل کرنے والے کون تھے؟

جواب: (1) غلبہ حاصل کرنے والے اہل کفر تھے۔ (شوکانی) (2) غلبہ حاصل کرنے والے اہل مشرک تھے۔ (ابن کثیر)

سوال 11: اس آیت سے کیا فوائد ملتے ہیں؟

جواب: (1) یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے فرار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ (2) جو کوئی عافیت کی خواہش رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عافیت عطا کرتا ہے۔

(3) جو اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پناہ دیتا ہے اور اسے دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا دیتا ہے۔

(4) جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کی رضا کی خاطر ذلت اٹھاتا ہے انجام کار اسے بہت زیادہ عزت نصیب ہوتی ہے اور اسے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ (تفسیر سعدی:1508/2)

(5)﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ ’’اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے۔‘‘ (آل عمران:198)

﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڢ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا﴾

’’جلد ہی وہ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور اُن کا چوتھا اُن کا کتا تھا اور وہ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور ان میں سے چھٹا اُن کا کتا تھا، یہ بغیر علم کے رائے زنی کرنا ہے اور وہ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور اُن میں سے آٹھواں اُن کا کتا تھا۔ آپ کہہ دیں میرا رب ہی اُن کی تعداد کو بہتر جانتا ہے۔ تھوڑے لوگوں کے سوا اُنہیں کوئی نہیں جانتا، چنانچہ آپ ان کے بارے میں کسی سے سرسری بحث کے علاوہ جھگڑا نہ کریں اور نہ ہی اُن کے بارے میں ان میں سے کسی سے فیصلہ مانگیں‘‘ (22)

سوال1:﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ ’’جلد ہی وہ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور اُن کا چوتھا کتا تھا اور وہ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور ان میں سے چھٹا اُن کا کتا تھا، یہ بغیر علم کے رائے زنی کرنا ہے اور وہ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور اُن میں سے آٹھواں اُن کا کتا تھا۔ آپ کہہ دیں میرا رب ہی اُن کی تعداد کو بہتر جانتا ہے۔ تھوڑے لوگوں کے سوا اُنہیں کوئی نہیں جانتا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف کا تذکرہ ہے اہل کتاب کے ان کے بارے میں 3اقوال تھے۔

(i)﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ تین آدمی تھے اور ان کا چوتھا کتا تھا۔

(ii)﴿وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ ’’ وروہ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور ان میں سے چھٹا اُن کا کتا تھا‘‘ بعض کی رائے یہ تھی کہ وہ پانچ آدمی تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔

(iii)﴿رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ ’’یہ بغیر علم کے رائے زنی کرنا ہے اور وہ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور اُن میں سے آٹھواں اُن کا کتا تھا‘‘ بعض کہتے تھے کہ وہ تعداد میں سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اور یہی راجح ہے واللہ اعلم۔

(2) ایسے اختلافات کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس سے کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

(3)﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ ’’آپ کہہ دیں میرا رب ہی ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے‘‘ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایسے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینے میں ہی خیر ہے۔

سوال 2:﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا﴾ ''چنانچہ آپ ان کے بارے میں کسی سے سرسری بحث کے علاوہ جھگڑا نہ کریں اور نہ ہی اُن کے بارے میں ان میں سے کسی سے فیصلہ مانگیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ ''چنانچہ آپ ان کے بارے میں کسی سے سرسری بحث کے علاوہ جھگڑا نہ کریں'' یعنی ایسی بحث جو علم و یقین پر مبنی ہو اس میں فائدہ بھی ہو۔ رہی وہ بحث اور مجادلہ جو جہالت اور اٹکل پچو دلائل پر مبنی ہو یا اس بحث میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہ ہو یا مدمقابل عناد رکھتا ہو یا زیر بحث مسئلہ کی کوئی اہمیت نہ ہو، اس کی معرفت سے کوئی دینی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو، مثلاً اصحاب کہف کی تعداد وغیرہ تو اس قسم کے امور میں کثرت سے بحث مباحثہ کرنا تضیع اوقات ہے اور یہ بحث مباحثہ باہمی مودت ومحبت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1509/2)

(2)﴿وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ﴾ ''اور نہ ہی اُن کے بارے میں فیصلہ مانگیں'' یعنی اصحاف کہف کے بارے میں نہ پوچھیں۔

(3)﴿مِّنْهُمْ﴾ ''ان میں سے'' یعنی اہل کتاب میں سے۔ (4)﴿اَحَدًا﴾ ''کسی سے'' کیونکہ ان کا کلام اندازوں پر مبنی ہے۔

(5)(i) غیر ضروری بحثوں کا رواج پانا دراصل کسی قوم کے مزاج کی خرابی کی علامت ہے۔ (ii) جب کسی قوم میں دینی روح زندہ ہوتی ہے تو اصل عقائد پر اور حقائق پر زور دیا جاتا ہے۔ (iii) جب قوم زوال پزیر ہوتی ہے تو غیر ضروری بحثیں رواج پا جاتی ہیں۔

(6)(i) سچے خدا پرستوں کو غیر ضروری بحثوں سے بچنا چاہیے بلکہ اگر کوئی ان بحثوں میں اُلجھانا چاہے تو حکمت کے ساتھ الگ ہو جانا چاہیے۔ (ii) سچے خدا پرستوں کو عقل و فردکی قوتوں کو ایسے بے فائدہ کاموں میں نہیں کھپانا چاہیے۔

سوال 3: اس آیت سے کیا فوائد ملتے ہیں؟

جواب: اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو فتویٰ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس سے استفتاء نہ کیا جائے، خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جس امر کے بارے میں فتویٰ پوچھا جا رہا ہے وہ اس میں کوتاہ علم ہے یا اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ بولتے وقت اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ وہ کیا بول رہا ہے اور وہ ورع سے بھی خالی ہے جو اسے لایعنی کلام سے روک دے۔ جب اس قسم کے امور میں استفتاء ممنوع ہے تو فتویٰ دینا تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انسان کو بسا اوقات کسی ایک امر میں استفتاء کرنے سے روکا گیا مگر کسی دوسرے معاملے میں اس استفتاء کی اجازت ہوتی ہے۔ پس وہ ایسے شخص سے فتویٰ طلب کرے جو فتویٰ دینے کا اہل ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ پوچھنے سے علی الاطلاق منع نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اصحاب کہف کے قصے میں اور اس قسم کے دیگر واقعات میں فتویٰ پوچھنے سے روکا ہے۔
(تفسیر سعدی:1510/2)

رکوع نمبر 4

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا﴾

''اور آپ کسی چیز کے بارے میں یہ مت کہیں یقیناً میں کل یہ کام کرنے والا ہوں'' (23)

سوال 1: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا﴾ ''اور آپ کسی چیز کے بارے میں یہ مت کہیں یقیناً میں کل یہ کام کرنے والا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یہ بات اس موقع پر کہی گئی جب قریش نے رسول اللہ ﷺ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال کیا تھا۔

(2) ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا﴾ ''اور آپ کسی چیز کے بارے میں یہ مت کہیں یقیناً میں کل یہ کام کرنے والا ہوں'' رسول اللہ ﷺ کے توسط سے امت کو ادب سکھایا گیا ہے کہ جب تم مستقبل میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرو تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دو اس لئے کہ وہ علام الغیوب ہے۔

(3) یہ نہی دیگر نواہی کی مانند (عام) ہے اگرچہ ایک خاص سبب کی بنا پر ہے اور اس کے مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں، مگر اس کا خطاب عام مکلفین کے لئے بھی ہے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے روک دیا ہے کہ بندہ مومن، مستقبل کے امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ملائے بغیر کہے ''میں یہ کام کروں گا'' اور یہ اس لیے کہ اس میں خطرات ہیں اور وہ ہے مستقبل کے غیبی معاملات کے بارے میں کلام کرنا، جن کے بارے میں بندہ نہیں جانتا کہ وہ ان پر عمل کر سکے گا یا نہیں، یا وہ ہوگا یا نہیں؟ اس طرح کہنے میں فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ مستقل طور پر بندے کی طرف لوٹاتا ہے، حالانکہ یہ قابل احتراز شے اور ممنوع ہے، کیونکہ مشیت تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔'' (التکویر: 29) (تفسیر سعدی: 2/1510)

﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾

''مگر ان شاء اللہ کہا کریں، اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں، اور آپ کہہ دیں کہ اُمید ہے میرا رب مجھے بھلائی کی اس سے زیادہ قریب راہ دکھا دے گا'' (24)

سوال 1: ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ ''مگر ان شاء اللہ کہا کریں، اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ ''مگر ان شاء اللہ کہا کریں'' اپنے کسی امر میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر کرنے میں اس امر میں آسانی بھی ہوتی ہے اور برکت بھی حاصل ہوتی ہے۔

(2) ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ ''اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں'' یعنی اگر ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جس وقت

یاد آجائے تو کہہ لو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ قسم کھانے والے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ان شاء اللہ کہہ سکتا ہے گو کہ سال گزر جائے اور دلیل میں آیت کا یہی ٹکڑا پیش کرتے۔ (مختصر ابن کثیر: 1090/1)

(3) بندہ بھول سکتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر کرنا بھول جائے تو جب یاد آجائے تو ان شاء اللہ کہہ لیا کرے۔

(4) اپنے رب کو یاد کرنا چاہیے کیونکہ غافل ہی رب کو بھولتے ہیں۔ ﴿اِنَّا بَلَوۡنٰهُمۡ كَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ‌ ۚ اِذۡ اَقۡسَمُوۡا لَيَصۡرِمُنَّهَا مُصۡبِحِيۡنَ (۱۷) وَلَا يَسۡتَثۡنُوۡنَ (۱۸) فَطَافَ عَلَيۡهَا طَآئِفٌ مِّنۡ رَّبِّكَ وَهُمۡ نَآئِمُوۡنَ (۱۹) فَاَصۡبَحَتۡ كَالصَّرِيۡمِ (۲۰) فَتَنَادَوۡا مُصۡبِحِيۡنَ (۲۱) اَنِ اغۡدُوۡا عَلٰى حَرۡثِكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰرِمِيۡنَ (۲۲) فَانۡطَلَقُوۡا وَهُمۡ يَتَخَافَتُوۡنَ (۲۳) اَنۡ لَّا يَدۡخُلَنَّهَا الۡيَوۡمَ عَلَيۡكُمۡ مِّسۡكِيۡنٌ (۲۴) وَّغَدَوۡا عَلٰى حَرۡدٍ قٰدِرِيۡنَ (۲۵) فَلَمَّا رَاَوۡهَا قَالُوۡۤا اِنَّا لَضَآلُّوۡنَ (۲۶) بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ (۲۷) قَالَ اَوۡسَطُهُمۡ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ لَوۡلَا تُسَبِّحُوۡنَ (۲۸) قَالُوۡا سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ (۲۹) فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَلَاوَمُوۡنَ (۳۰) قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيۡنَ (۳۱)﴾ ''یقیناً ہم نے اُنہیں بھی ویسے ہی آزمائش میں ڈالا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب اُنہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے ہی اُس کا پھل ضرور توڑ لیں گے۔ وہ استثناء نہیں کر رہے تھے۔ چنانچہ تیرے رب کی طرف سے ایک اچانک عذاب پھر گیا حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ تو وہ باغ صبح کو کٹی ہوئی فصل کی مانند ہو گیا۔ پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔ یہ کہ صبح صبح اپنی کھیتی پر پہنچو، اگر تم پھل توڑنے والے ہو۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے۔ کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس (باغ میں) ہرگز داخل نہ ہونے پائے۔ اور صبح صبح وہ نکلے (اس خیال میں) کہ وہ مسکین کو روکنے پر قادر تھے۔ مگر جب اُنہوں نے اس باغ کو دیکھا تو کہا: ''یقیناً ہم ضرور راستہ بھولے ہوئے ہیں۔ بلکہ ہم محروم ہیں۔'' اُن میں سے بہتر آدمی نے کہا: ''کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟'' اُنہوں نے کہا: ''پاک ہے ہمارا رب! بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔'' پھر وہ ایک دوسرے پر متوجہ ہو کر آپس میں ملامت کرنے لگے۔ اُنہوں نے کہا: ہائے ہماری بربادی یقیناً ہم حد سے بڑھے ہوئے تھے۔'' (القلم: 17،31)

(6) رب العزت نے ذکر کثیر کا حکم دیا ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، کثرت سے یاد کرنا۔'' (الاحزاب: 41)

(7) تعلق باللہ کو مستحکم رکھنے کا ذریعہ ذکر و فکر ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۹۱) رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ‌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ (۱۹۲)﴾ ''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے

مقصد نہیں بنایا، آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیں۔ اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو نے آگ میں ڈالا تو اُس کو تو نے واقعی رُسوا کر دیا، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔'' (آل عمران:191،192)

(8) کامیابی کا ذریعہ ذکر ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مد مقابل ہو کسی گروہ کے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' (الانفال:45) (9) اہل ذکر کی مجالس کو لازم جانو اور تنہائی میں زبان ذکر سے متحرک رکھو۔ (مشکوٰۃ:619/2)

(10) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ''کوئی گروہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے نہیں بیٹھتا مگر یہ کہ فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکون وطمانیت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے مقرب فرشتوں میں نازل کرتا ہے۔'' (ترمذی)

(11) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی صفائی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی ذکر اللہ سے بہتر نہیں۔ (مشکوٰۃ، کتاب الدعوات:701/1)

(12) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں کہ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے دونوں ہونٹ میرے ذکر سے حرکت کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ:1245/2)

(13) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس کی جو نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ (بخاری:168/7)

(14) کوئی مصروفیت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے غافل نہ کرے۔ رب العزت کا فرمان ہے ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ ''وہ لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔'' (النور:37)

(15) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل کا سخت ہونا ہلاکت وتباہی کا باعث ہے۔ ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''کیا پھر وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا، سو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے؟ (کسی کافر جیسا ہو سکتا ہے) پس اُن کے لیے تباہی ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے سخت ہو گئے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔'' (الزمر:22)

(16) کیا لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے نہیں جھکیں گے؟ ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا

نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور جو حق نازل ہوا ہے اُس کے لیے جھک جائیں؟ اور وہ اُن لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر اُن پر جب لمبی مدت گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور اُن میں سے اکثریت نافرمان ہے۔'' (الحدید:16)

(17) نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ زندہ انسانوں کا گھر ہے اور جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا وہ مردہ شخص کا گھر ہے۔'' (صحیح مسلم:1823)

(18) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں کے گمان کے مطابق ان سے معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے کسی گروہ میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے ایسی ہی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہے۔ اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے تو میں چار ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میری رحمت اس کی طرف دوڑ کر آتی ہے۔ (مسلم:6805)

سوال 2: ان شاء اللہ کہنے کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ان شاء اللہ کہنے کا مطلب ہے کہ توفیق تو اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ملتی ہے۔

(1) ان شاء اللہ کہنے سے انسان کے شعور میں بار بار یہ احساس اُجاگر ہوتا ہے کہ میرا ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادے سے منسلک ہے۔ میری سانسیں، میری دھڑکنیں، میرے ارادے، میری عبادتیں، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا اللہ تعالیٰ کے ارادے سے منسلک ہے۔

(2) انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے، آسانی پیدا کرے تو آسانی پیدا ہوتی ہے۔

(3) انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کی وہی تدبیر کامیاب ہوسکتی ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہو۔

(4) انسان ان شاء اللہ کہہ کر اپنے سارے رشتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑ کر اللہ تعالیٰ کے نور کے ہالے میں آجاتا ہے۔

(5) انسان اپنے ارادے کو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تابع کر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہوجاتا ہے۔ اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کرتا نہ وہ غرور میں مبتلا ہوتا ہے نہ مایوسی کا شکار ہوتا ہے۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔

سوال 3: ﴿وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾ ''اور آپ کہہ دیں کہ اُمید ہے میرا رب مجھے بھلائی کی اس سے زیادہ قریب راہ دکھا دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾ ''اور آپ کہہ دیں کہ اُمید ہے میرا رب مجھے بھلائی کی اس

سے زیادہ قریب راہ دکھادے گا'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو پکارے، اسی پر توکل کرے، اسی سے محبت کرے، اسی سے امید باندھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی رشد وہدایت کے لئے قریب ترین راستے کی طرف راہ نمائی کرے گا۔

(2) جو فرد ہدایت کی طلب میں کوشش کرے وہ اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کی توفیق دے۔

(3) ان شاء اللہ کہنے کے وہ اثرات جو انسانی شعور پر مرتب ہوتے ہیں یہ اس کا اظہار ہے۔

(4) یہ ایک ایسے دل کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے راضی ہے۔ اپنے ہر کام میں ہر منصوبے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہے۔ (5) یہ وہ مقام ہے جہاں قائم رہنا مشکل ہے لیکن یہی انسان کے لئے صحیح ترین مقام ہے۔

﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾

''اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور انہوں نے نو سال کا اضافہ کیا'' (25)

سوال: ﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾ ''اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور انہوں نے نو سال کا اضافہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾ ''اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور انہوں نے نو سال کا اضافہ کیا'' اللہ رب العزت نے اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کی خبر دی ہے کہ وہ اس میں سونے سے جاگنے تک 309 سال تک ٹھہرے ہیں۔ 300 سال شمسی ہوتے ہیں اور 309 قمری سال کیونکہ ہر شمسی صدی میں تین قمری سال بڑھ جاتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 1090/1)

﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴾

''آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ جتنا عرصہ رہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اُسی کو معلوم ہیں، کس قدر وہ دیکھنے والا ہے اور کس قدر وہ سننے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کسی ایک کو اپنی حکومت میں شریک کرتا ہے'' (26)

سوال 1: ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ جتنا عرصہ رہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اُسی کو معلوم ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا﴾ ''آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ جتنا عرصہ رہے'' یعنی اگر تم سے پوچھا جائے کہ اصحاب کہف غار میں کتنی مدت ٹھہرے تو اپنی طرف سے مت بتاؤ بلکہ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں اہل کتاب سے پوچھنے سے روک دیا ہے۔ اس لئے اس عالم غیب نے ان کے سوئے رہنے

کی مدت سے خود آگاہ کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

(3)﴿لَهٗ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ''آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اُسی کو معلوم ہیں'' اللہ تعالیٰ ہی کائنات کے سارے غیب جانتا ہے اور مخلوق کے پاس اتنا ہی علم ہے جتنا اللہ تعالیٰ دے۔ غیبی امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان امور کے بارے میں اپنے رسولوں کے توسط سے جو علم دیا ہے وہ یقینی حق ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

سوال 2: ﴿اَبۡصِرۡ بِهٖ وَاَسۡمِعۡ﴾ ''کس قدر وہ دیکھنے والا ہے اور کس قدر وہ سننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اَبۡصِرۡ بِهٖ﴾ ''کس قدر وہ دیکھنے والا ہے'' کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ بندوں کے سارے اعمال دیکھتا ہے۔

(2)﴿وَاَسۡمِعۡ﴾ ''اور کس قدر وہ سننے والا ہے'' ہر سنی جانے والی چیز کو وہ سنتا ہے۔ وہ کمال درجے کی سماعت رکھتا ہے۔ (3) اللہ تبارک و تعالیٰ سے بڑھ کر نہ کوئی دیکھنے والا ہے، نہ سننے والا ہے۔

سوال 3: ﴿مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا﴾ ''اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کسی ایک کو اپنی حکومت میں شریک کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِيٍّ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں'' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا کارساز نہیں۔ اسی نے اصحاب کہف کی سرپرستی فرمائی۔ اس نے مخلوق میں سے کسی پر ان کا معاملہ نہیں چھوڑا۔

(2)﴿وَّلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا﴾ ''اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کسی ایک کو اپنی حکومت میں شریک کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلتا ہے۔ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(3) کوئی اللہ تعالیٰ کا حکم ٹالنے والا نہیں، کوئی اس کا وزیر مشیر نہیں، کوئی اس کا مددگار اور شریک نہیں۔

(4) اور یہ حکم کونی وقدری اور حکم دینی وشرعی دونوں کو شامل ہے وہی قضاوقدر اور تخلیق وتدبیر کے ذریعے سے اور امرونہی اور ثواب وعقاب کے ذریعے سے اپنی مخلوق میں اپنا حکم نافذ کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا کہ آسمانوں اور زمین کے تمام غیبی امور کو وہ جانتا ہے تو مخلوق کے لئے ان کو جاننے کا اس طریقے کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں، جو اس نے اپنے بندوں کو بتایا ہے۔ یہ قرآن کریم بہت سے غیبی امور پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کا حکم دیا ہے۔ (تفسیر سعدی:1512/2)

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے غار میں رہنے کی مدت کے بارے میں کیا فیصلہ کن بات بتائی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ ان کے قیام کی مدت اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔

(2) اللہ ہی آسمانوں اور زمین کے چھپے ہوئے حالات کو جانتا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کیا ہی اچھا دیکھنے والا، سننے والا ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں۔ (5) اللہ تعالیٰ اپنی حکومت میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتے۔

﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ڟ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا﴾

''اور آپ کے رب کی کتاب میں سے جو آپ کو وحی کی گئی ہے اُس کو آپ پڑھ کر سنادیں، اُس کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں اور اس کے سوا آپ کبھی کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے'' (27)

سوال 1: ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ ''اور آپ کے رب کی کتاب میں سے جو آپ کو وحی کی گئی ہے اُس کو آپ پڑھ کر سنادیں، اُس کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ﴾ ''اور آپ کے رب کی کتاب میں سے جو آپ کو وحی کی گئی ہے اُس کو آپ پڑھ کر سنادیں'' اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو قرآن مجید کی تلاوت اور تبلیغ کا حکم دیا ہے۔

(2) تلاوت سے مراد اتباع کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف جو وحی بھیجی ہے اس کے معانی کی معرفت اور ان کا فہم حاصل کر کے، اس کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق اور اس کے اوامر ونواہی کی تعمیل کر کے اس کی اتباع کیجئے کیونکہ یہ بہت ہی جلیل القدر کتاب ہے جس کی باتوں کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ (تفسیر سعدی: 1512/2)

(3) ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچادو اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (المائدہ: 67)

(4) ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''یقیناً جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو ایک اچھے انجام تک ضرور واپس لانے والا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ میرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون واضح گمراہی میں ہے؟'' (القصص: 85)

(5) ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ ''اُس کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں'' اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کوئی ردوبدل کرنے والا نہیں۔

(6) ان کلمات کی سچائی اور ان کے عدل اور حسن میں اپنی انتہا پر ہونے کی وجہ سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ''اور آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف میں مکمل ہے، کوئی اُس کی باتیں بدلنے والا نہیں ہے اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (الانعام: 115)

(8) ناقص چیزوں میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات کامل ہیں اس لئے ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس میں قرآن کی عظمت کا

اظہار ہے۔

سوال 2: اصحاب کہف کے واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کیا ہدایت دی؟

جواب: (1) آپ ﷺ کی طرف جو وحی کی گئی ہے آپ ﷺ اس کی تلاوت کرتے رہیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔

(2) اصحاب کہف کے واقعے کے بعد اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ مانیں یا نہ مانیں آپ اس پر یقین رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ اسے پڑھ کر سنا دیں۔ لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں۔

سوال 3: ﴿وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا﴾ ''اور اس کے سوا آپ کبھی کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا﴾ ''اور اس کے سوا آپ کبھی کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے'' یعنی آپ کے رب کے سوا آپ کو کہیں کوئی ٹھکانا نہیں ملے گا جہاں آپ چھپ سکیں، نہ پناہ گاہ ملے گی جہاں پناہ لے سکیں۔ پس جب یہ حقیقت متعین ہوگئی کہ تمام امور میں وہی ملجا و ماویٰ ہے تو یہ بات بھی متعین ہوگئی کہ وہی الٰہ ہے، خوشحالی اور بدحالی میں اسی کی طرف رغبت کی جائے، لوگ اپنے تمام احوال میں اسی کے محتاج ہیں اور اپنے تمام مطالب میں اسی سے سوال کیا جائے۔ (تفسیر سعدی:1512/2:2)

(2) اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کریں، اور اس میں موجود اوامر و نواہی کو بجا لائیں، اور اس میں بیان کردہ حلال و حرام کے پابند رہیں، ورنہ آپ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ (تیسیر الرحمن:841/1:1)

(3) ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اے محمد! اگر تم نے لوگوں کو قرآن نہ سنایا تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہاری کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔

(4) اس کا مطلب یہ بھی لیا گیا ہے کہ اگر اس قرآن کو بیان کرنے سے گریز کرو گے یا اس میں کوئی تبدیلی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں۔ یہ خطاب اُمت سے بھی ہے۔

﴿وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَلَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ‌ۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ۚ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ وَكَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا﴾

''اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی نگاہیں اُن سے آگے نہ بڑھیں، آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں اور آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے'' (28)

سوال1:﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی نگاہیں اُن سے آگے نہ بڑھیں، آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ ''اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں'' اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان مومنوں کے ساتھ جوڑے رکھیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ جو دن کے پہلے اور آخری حصے میں تہلیل، تسبیح اور تکبیر وثناء کرتے ہیں اور صبح وشام اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں۔

(2)﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ ''وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کو بیان فرمایا ہے۔

(3) اس آیت میں رب العزت نے حکم دیا ہے کہ صالح لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ خواہ یہ نادار ہوں یا مال دار، کمزور ہوں یا زورآور۔

(4) قریش کے سردار یہ چاہتے تھے کہ رسول ﷺ انہیں کے درمیان اٹھیں بیٹھیں اور بلال رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ، خباب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے کمزور لوگوں کے پاس نہ بیٹھیں۔

(5)﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ﴾ ''اور آپ کی نگاہیں اُن سے آگے نہ بڑھیں'' یعنی آپ ﷺ اپنی نظریں ان سے نہ ہٹائیں، صبر کے ساتھ ان میں ہی اٹھیں بیٹھیں۔

(6)﴿تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں'' یعنی آپ اللہ والوں کے بدلے میں مال دار اور مغرور لوگ نہ طلب کرنے لگیں۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ ''اور آپ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو سروسامان دیا ہے، دنیا کی زندگی کی زینت ہے تاکہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق ہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔'' (طٰہٰ:131)

(7) دنیا کی رونقیں دیکھنے میں اچھی لگتی ہیں، لیکن دلوں کو اپنا اسیر کرلیتی ہیں جس کی وجہ سے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو کر لذتوں میں مگن ہو جاتا ہے اور وقت ضائع کر کے ہمیشہ کے خسارے اٹھالیتا ہے۔

سوال2: رسول اللہ ﷺ کو کن لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرام کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا جن میں غلام تھے، معاشی طور پر کمزور افراد تھے جن کے ساتھ بیٹھنا قریش کو ناگوار تھا۔

سوال3: انسان رات دن اپنے رب کو کب پکارنے لگتا ہے؟

جواب: (1) جب اُسے زندگی کی حقیقت، اپنی حقیقت، اپنا مقصدِ زندگی، اپنے خالق کی حقیقت اور اپنے انجام کی سمجھ آجاتی ہے۔
(2) جب انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا بنالیتا ہے۔ (3) جب انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔
(4) جب انسان کو اپنی ہمیشہ کی کامیابی کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔

سوال4: رات دن رب کو پکارنے اور رب کی رضا چاہنے سے انسان کیسا انسان بن جاتا ہے؟

جواب: انسان رات دن رب کو پکارنے اور اس کی رضا چاہنے سے خالص ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ دو کام ایسے ہیں جو انسان کو اللہ کے لیے مخلص بنا دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ مخلص لوگ ہی یہ کام کر سکتے ہیں۔

سوال5: اللہ کی رضا کا حصول کیسے ممکن ہوتا ہے؟

جواب: (1) جب انسان نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ رب کی طرف متوجہ ہو۔ (2) جب دل کی گہرائیوں سے اللہ سے محبت رکھتا ہو۔
(3) جب ادب واحترام اور خشوع کے ساتھ اللہ کے آگے کھڑا ہوتا ہو۔ (4) جب انسان اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگا رہتا ہو۔

سوال6: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ ''اور آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ ''اور آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے'' جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذکر سے غافل کر دیتے ہیں۔ (2) یعنی اس کے دل پر توحید کے لئے مہر لگا دیتے ہیں۔
(3) ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ ''اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے'' اس کے نفس نے جو چاہا وہ کیا اور اس کو پالینے کی کوشش کرنے لگا خواہ اس میں اس کی ہلاکت اور اس کے لئے خسارہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس اس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنالیا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ ''پھر کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا؟'' (الجاثیہ:23) (تفسیر سعدی: 513,1514/2)
(4) ﴿وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ ''اور جس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے'' یعنی اس کے اعمال، اقوال، افعال حماقت اور افراط وتفریط پر مبنی ہیں اور حق سے تجاوز کرنے کا نقصان ہے۔ ایسے شخص کے مطیع نہ بنیں، نہ ان کے راستے سے محبت رکھیں اور نہ اس سے رغبت رکھیں جس پر وہ ہیں۔ (الاساس: 3175/6) (5) یعنی ان کا معاملہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر چکا ہے۔ (فتح القدیر: 354/3)

سوال7: اس آیت سے کیا فوائد ملتے ہیں؟

جواب:(1) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہی شخص اطاعت کے لائق اور لوگوں کا امام بننے کے قابل ہے جس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو اور اس کی زبان پر محبت الٰہی کا فیضان ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو، اپنے رب کی رضا کی پیروی کرتا ہو اور اسے اپنے نفس کی خواہشات پر مقدم رکھتا ہو۔ پس اس طرح وہ اپنے وقت کی حفاظت کرے گا، اس کے تمام احوال درست اور تمام افعال ٹھیک ہو جائیں گے۔ وہ لوگوں کو اس چیز کی طرف دعوت دے گا جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا ہے۔ پس یہ شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور اس کو امام بنایا جائے۔

(2) آیت مقدسہ میں جس صبر کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر ہے۔ یہ صبر کی بلند ترین قسم ہے۔ اس کی تکمیل سے صبر کی باقی تمام اقسام کی تکمیل ہوتی ہے۔

(3) آیت مبارکہ سے ذکر الٰہی، دعا اور دن کے دونوں حصوں میں عبادت کا استحباب مستفاد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل پر ان کی مدح کی ہے اور جس فعل پر اللہ تعالیٰ فاعل کی مدح کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس فعل کو پسند کرتا ہے تو اس کا حکم اور اس کی ترغیب دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1514/2)

سوال 8: رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرام کے ساتھ رہنے پر دل مطمئن کرنے کے لئے کیوں کہا گیا؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں۔

(2) یہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی چاہتے ہیں۔

سوال 9: رسول اللہ ﷺ کو کن لوگوں کی صحبت سے روکا گیا؟

جواب:(1) ایسا شخص جس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہے۔ (2) جس نے خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی۔

(3) جس کا طریقہ افراط و تفریط پر مبنی ہو۔

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا﴾

"اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے۔ یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا، بڑا ہی برا مشروب ہے اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے" (29)

سوال1:﴿وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۖ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ﴾ ''اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ﴾ ''اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے'' اے محمد ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے۔(2) قرآن حق ہے۔(ابن ابی حاتم:2358/7)

(3) حق سے مراد فقراء کے ساتھ رہنے پر صبر ہے۔(فتح القدیر:354/3)

(4) حق کی پہچان یہ ہے کہ (i) حق رب کی طرف سے آتا ہے۔(ii) حق آخری حد تک سچا ہوتا ہے۔(iii) حق میں لوگوں کی خاطر ترمیم نہیں کی جاسکتی۔

(5) اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کو اور سعادت مندوں اور بدبختوں کی صفات کو اپنے رسولوں کی زبان سے واضح کر دیا ہے۔

(6)﴿فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ﴾ ''پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے'' یعنی دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرلو۔

(7) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر و شر کے انتخاب کے لئے ارادے کی آزادی دی ہے جو ایمان لاتا ہے اسے حق کی توفیق ملتی ہے اور جو کوئی کفر کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی ہے کیونکہ دین کے معاملے میں زبردستی نہیں۔ رب العزت نے فرمایا:﴿لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ﴾ ''دین میں کوئی زبردستی نہیں، یقیناً ہدایت گمراہی سے صاف واضح ہو چکی، چنانچہ جو باطل معبود کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑا تھام لیا جس نے کبھی ٹوٹنا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (البقرۃ:256)

سوال2:﴿اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِيۡنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمۡ سُرَادِقُهَا﴾ ''یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِيۡنَ﴾ ''یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے تیار کر رکھی ہے'' اللہ تعالیٰ نے کفر، فسق اور معصیت کے ذریعے ظلم کرنے والوں کے انجام کے بارے میں فرمایا۔

(2)﴿نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمۡ سُرَادِقُهَا﴾ ''ایسی آگ جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں'' یعنی تم اس کتاب کو نہیں مانتے تو ہم نے تمہارے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ظالموں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ قناتیں چار دیواریں ہیں، جہاں سے نجات پانے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

سوال3:﴿وَاِنۡ يَّسۡتَغِيۡثُوۡا يُغَاثُوۡا بِمَآءٍ كَالۡمُهۡلِ يَشۡوِى الۡوُجُوۡهَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا﴾ ''اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا، بڑا ہی برا مشروب ہے اور بہت ہی بری

آرام گاہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا﴾ ''اور اگر وہ پانی مانگیں گے''یعنی اگر وہ پیاس بجھانے کے لئے پانی کی فریاد کریں گے۔

(2)﴿يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ﴾ ''تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا'' تو انہیں زیتون کی تلچھٹ کی طرح گاڑھا پانی یا خون اور پیپ یا پگھلے ہوئے سیسے یا سخت گرم چیز دی جائے گی۔

(3)﴿يَشْوِي الْوُجُوْهَ﴾ ''جو چہروں کو بھون ڈالے گا'' جو حرارت کی شدت کی وجہ سے چہروں کو بھون کر کھ دے گا۔وہ منہ کے پاس لائیں گے تو منہ کی کھال اس میں آ گرے گی۔رب العزت نے فرمایا:﴿يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ﴾ ''وہ اس کا گھونٹ گھونٹ پیے گا لیکن قریب بھی نہ ہوگا کہ حلق سے اُتارے اور موت اس پر ہر طرف سے آئے گی حالانکہ وہ مرنے والا نہیں ہوگا اور اس کے پیچھے ایک سخت عذاب ہے۔'' (ابراہیم:17)

(4)﴿يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ (٢٠) وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ (٢١)﴾ ''جس سے وہ سب پگھلا دیا جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہوگا اور ان کی کھالیں بھی۔اور اُن کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔'' (الحج:20,21)

(5) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک بار سونا پگھلایا جب وہ پانی جیسا ہو گیا اور جوش مارنے لگا فرمایا''مھل'' کی مشابہت اس میں ہے جہنم کا پانی سیاہ ہے وہ خود بھی سیاہ ہے اور جہنمی بھی سیاہ ہیں۔مسند احمد میں ہے کافر کے منہ کے پاس جاتے ہی اس کے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں آ پڑے گی۔(ابن کثیر:266/3)

(6)﴿بِئْسَ الشَّرَابُ﴾ ''بڑا ہی بُرا مشروب ہے'' جس سے وہ پیاس بجھانا چاہیں گے۔اس سے عذاب میں اضافہ اور عقوبت میں شدت ہوگی۔

(7)﴿وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ ''اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے'' یہ آگ کے احوال کی مذمت ہے یعنی یہ آرام کی بدترین جگہ ہوگی۔کیونکہ یہاں آرام نہیں بلکہ عذاب عظیم ہوگا جو بہت ہی تکلیف دہ ہوگا۔گھڑی بھر کے لئے بھی یہ عذاب ان سے دور نہیں ہوگا اور وہ سخت مایوسی کے عالم میں ہوں گے۔وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے جس طرح انہوں نے مہربان اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا وہ بھی انہیں فراموش کر دے گا۔(تفسیر سعدی:1516/2) (8) اللہ تعالیٰ نے انجام کا تذکرہ کر کے یہ سمجھایا ہے کہ دیکھو احتیاط سے فیصلے کرنا کہیں ہمیشہ کا عذاب مول نہ لینا۔

سوال4:حق کا انکار کرنے والوں کی کیا سزا ہے؟

جواب:(1) انکار کرنے والوں کے لئے آگ تیار ہے جس کی لپٹیں ان کو گھیرے میں لے لیں گی۔(2) وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا چہروں کو بھون دے گا۔بہت ہی برا پانی اور بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾

''بے شک جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیکیاں کی ہیں، یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں'' (30)

سوال 1: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾ ''بے شک جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیکیاں کی ہیں، یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''بے شک جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیکیاں کی ہیں'' اللہ تعالیٰ نے دوسرے گروہ یعنی اہل ایمان کا ذکر فرمایا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاکر نیک اعمال کیے۔

(2) ﴿اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾ ''یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں'' اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق جو کام کیے جاتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ایسے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ ان کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (3) عمل میں احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور محمد ﷺ کی اتباع میں ہو۔

سوال 2: حق پر ایمان کون لاتا ہے؟

جواب: جولوگ تکبر، مصلحت پسندی، اور ظاہر پرستی سے دور ہوتے ہیں ان کے سامنے جب حق آتا ہے تو پہچان کر مان لیتے ہیں۔

سوال 3: حق قبول کرنے والوں کی زندگیوں میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: (1) حق قبول کرنے والے اپنے آپ کو حق کے سامنے بچھا دیتے ہیں۔ (2) وہ اپنی زندگی کو حق کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾

''یہی لوگ ہیں جن کے لیے اَبدی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، اس میں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اچھا بدلہ ہے اور اچھی آرام گاہ ہے!'' (31)

سوال 1: ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے اَبدی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے اَبدی جنتیں ہیں'' ان کے لئے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں۔

(2) ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ''جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں'' جنت کے بالا خانوں کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔

سوال 2: ﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ ''وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، اس میں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾ ''وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے'' جنت والوں کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾ ''یقینا جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کیں، انہیں اللہ تعالیٰ جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں وہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔'' (الحج:23)

(2) ﴿وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ ''اور وہ باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے'' جنتیوں کا لباس ریشم ہوگا۔ دبیز، مہین سبز اور خالص ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔

(3) ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾ ''ہمیشہ کی جنتیں جن میں وہ داخل ہوں گے، ان میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان میں اُن کا لباس ریشم ہوگا۔'' (فاطر:33)

(4) ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (٥١) فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (٥٢) يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (٥٣) كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (٥٤) يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ (٥٥) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (٥٦) فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (٥٧)﴾ ''بے شک متقی لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں۔ وہ باریک ریشم اور دبیز ریشم میں سے پہنیں گے، اس حال میں کہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اسی طرح ہے اور ہم اُن کو بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے بیاہ دیں گے۔ اُن میں وہ ہر قسم کے پھل اطمینان سے طلب کریں گے۔ وہ وہاں موت کو نہ چکھیں گے سوائے پہلی موت کے اور وہ اُن کو جہنم کے عذاب سے بچالے گا۔ آپ کے رب کی طرف سے فضل ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔'' (الدخان:51،57)

(5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا زیور وہاں پہنچے گا جہاں اس کے وضو کا پانی پہنچے گا۔'' (مسلم:586)

(6) سیدنا سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک ناخن کے برابر جنت کی کوئی چیز ظاہر ہو تو وہ زمین و آسمان کے کناروں کو چمکا دے اور اگر ایک مرد اہلِ جنت میں سے جھانکے اور اس کے کنگن ظاہر ہوں تو اس کے کنگن تمام روشنی مٹا دیں جیسے آفتاب تاروں کی روشنی مٹا دیتا ہے۔ (ترمذی:2538)

(7) براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی کپڑا پیش کیا گیا۔ اس کی خوب صورتی اور نزاکت نے

لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے بہتر اور افضل ہے۔ (بخاری)

(8) اس آیت کریمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جنت میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے زیورات اور ریشم کے لباس ہوں گے۔

(9) ﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ ''اس میں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے'' تختوں پر ٹیک لگا کر بیٹھنے کی کیفیت واضح کرتی ہے کہ انہیں کوئی غم، کوئی تھکان، کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ جنت کے خادم ان کی خدمت میں دل پسند چیزیں پیش کریں گے۔

سوال 2: ﴿نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾ ''اچھا بدلہ ہے اور اچھی آرام گاہ ہے!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿نِعْمَ الثَّوَابُ﴾ ''اچھا بدلہ ہے'' جنت کتنا بہترین صلہ ہے۔

(2) ﴿وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾ ''اور اچھی آرام گاہ ہے!'' جنت کیا ہی اچھی قیام گاہ ہے جس میں اہل جنت قیام کریں گے اور اس چیز میں لطف اندوز ہوں گے جس کی ان کے نفس خواہش کریں گے۔ ان کی جوانی کو کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ ان کی خوشیوں کو کبھی غم نہیں ڈسے گا۔ ان کی لذتیں کبھی نہ ختم ہونے والی ہوں گی۔ ان کے گھر بہترین آرام گاہ ہوں گے، ان میں سب سے ادنیٰ درجے والا جنتی اپنی نعمتوں میں، اپنے باغوں میں اور محلوں میں دو ہزار سال چلے پھرے گا وہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں پائے گا۔ اس کی آرزوئیں پوری ہوں گی۔ ان نعمتوں کا دوام ان کے حسن میں اضافے کا باعث ہوگا۔ یا ارحم الراحمین! ہم سب آپ سے سوال کرتے ہیں جنت الفردوس کا۔ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں اس احسان سے محروم نہ کرنا۔

(3) ﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (۱۹) وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا (۲۰) عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (۲۱)﴾ ''اور اُن کے آس پاس کمسن لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہنے والے ہوں گے، جب آپ اُنہیں دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اور جب آپ دیکھیں گے تو وہاں بڑی نعمت اور عظیم بادشاہت آپ دیکھیں گے۔ اُن پر سبز باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اُن کا رب اُنہیں پاکیزہ شراب پلائے گا۔'' (الدھر: 19,21)

(4) ﴿اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا (۷۵) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (۷۶)﴾ ''یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا میں بالاخانے دیے جائیں گے اور اس میں اُن کا استقبال زندگی کی دُعا اور سلام سے کیا جائے گا۔ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بہت اچھی ٹھہرنے اور رہنے کی جگہ ہے۔'' (الفرقان: 75,76)

(5) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے جنت والو تمہارے لئے یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ تم صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہوگے اور تم زندہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور تم جوان رہو گے اور تم کبھی بوڑھے نہیں ہوگے اور تم آرام میں رہو گے اور تمہیں کبھی تکلیف نہیں ہوگی تو اللہ عزوجل کا یہی فرمان ہے کہ آواز

آئے گی کہ یہی تمہاری جنت ہے جس کے تم اپنے ان اعمال کی وجہ جو تم کرتے رہے وارث بنادیئے گئے ہو۔(الاعراف)(مسلم:7157)

رکوع نمبر 5

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾

''اور آپ انہیں دو آدمیوں کی مثال بیان کردیں اِن دونوں میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیے اور اُن دونوں کو ہم نے کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتیاں بنائیں''(32)

سوال1:﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾ ''اور آپ انہیں دو آدمیوں کی مثال بیان کردیں اِن دونوں میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیے اور اُن دونوں کو ہم نے کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتیاں بنائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ﴾ ''اور آپ انہیں دو آدمیوں کی مثال بیان کردیں'' رب العزت نے فرمایا ہے کہ ان کے سامنے دو آدمیوں کی مثال بیان کردو۔ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے انگور کے دو باغ دے رکھے تھے جن کے درمیان فصلیں کاشت ہوتی تھیں اور جن کے کناروں پر کھجور کے اونچے اونچے درخت تھے۔تینوں قسم کی پیداوار خوب تھی۔

(2) یہ مثال دو ایسے لوگوں کی ہے جن میں سے ایک شکر گزار اور دوسرا ناشکرا ہے۔دونوں طرح کے لوگوں کے اقوال اور افعال کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کا عذاب و ثواب طے کر رکھا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ اس لئے سنایا ہے(i) تاکہ اسلامی اقدار اور کافرانہ اقدار کو واضح کیا جاسکے۔(ii) اس قصّے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ دُنیا کی زندگی کی آخرت کے مقابلے میں کیا حقیقت ہے۔

(4)﴿جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾ ''اِن دونوں میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیے اور اُن دونوں کو ہم نے کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتیاں بنائیں'' ان میں سے جن کے دو باغ تھے اس کے باغ کے وسط میں انگور کی بیلیں اور اردگرد کھجور کے درختوں نے گھیرا ہوا تھا۔اس باغ کو سورج کی وافر روشنی حاصل تھی۔روشنی پھل پکنے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔باغ کو سیراب کرنے کے لئے وافر پانی بھی موجود تھا۔

سوال2: باغ والے دو لوگ کون تھے؟

جواب: بنی اسرائیل کے دو افراد تھے یا اہل مکہ میں سے ایک مومن اور دوسرا کافر۔

﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴾

''دونوں باغ اپنا پورا پھل لائے اور اس میں کوئی کمی نہ کی اور ہم نے دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کر دی تھی'' (33)

سوال 1: ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴾ ''دونوں باغ اپنا پورا پھل لائے اور اس میں کوئی کمی نہ کی اور ہم نے دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کر دی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا﴾ ''دونوں باغ اپنا پورا پھل لائے'' دونوں باغوں کا پھل اور فصلیں کئی گنا ہوتی تھیں۔

(2) ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا﴾ ''اور اس میں کوئی کمی نہ کی'' یہاں ظلم کا لفظ نقص اور کمی کے لئے لایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باغ کے حوالے سے یہ واضح کیا ہے کہ اُنہوں نے اپنا حق ادا کر دیا جب کہ باغات کے مالک نے تکبر کیا، سرکشی کی، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا اور ظلم کیا۔

(3) ﴿وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴾ ''اور ہم نے دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کر دی تھی'' ان باغوں کے ساتھ ساتھ پانی سے بھرے ہوئے دریا بہہ رہے تھے اور ان باغوں کے درمیان جگہ جگہ دریا جاری تھے۔

﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴾

''اور اس کا پھل بہت ہوا تو اُس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا'' میں تجھ سے زیادہ مال

دار ہوں اور تعداد میں زیادہ باعزت ہوں'' (34)

سوال 1: ﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ج فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴾ ''اور اس کا پھل بہت ہوا تو اُس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا'' میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور تعداد میں زیادہ باعزت ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ﴾ ''اور اس کا پھل بہت ہوا'' اس شخص کا باغ پھلوں سے پک گیا۔ اس کے درخت بوجھ سے لد گئے اس وجہ سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو گیا، اس نے تکبر کیا اور اترانے لگا۔

(2) ﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ﴾ ''تو اُس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا'' ان باغوں کے مالک نے اپنے ایمان والے دوست سے فخر سے کہا جبکہ وہ دونوں عام روزمرہ کی بات چیت کر رہے تھے۔

(3) ﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴾ ''میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور تعداد میں زیادہ باعزت ہوں'' اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ باغ میں پھرتے ہوئے دل کا پیمانہ خوشی سے بھر گیا، جوش میں آ گیا حتیٰ کہ غرور اس کے دل میں داخل ہو گیا اب وہ بھول گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا ہے، صرف یہ یاد ہے میں تجھ سے زیادہ مال دار اور طاقتور نفری رکھتا ہوں۔

(4) اس نے اپنے مال اور اپنے مددگاروں، اپنے رشتے داروں اور غلاموں پر فخر کیا جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا﴾

''اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا جب کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا، اس نے کہا: ''میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی بھی برباد ہوگا'' (35)

سوال 1: ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا﴾ ''اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا جب کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا، اس نے کہا: ''میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی بھی برباد ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ ''اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا جب کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا'' انسان جب دولت، عزت اور مال کو اپنی محنت اور قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے تو اس کے اندر اپنی ذات کی بڑائی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔

(2) ﴿قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا﴾ ''اس نے کہا: ''میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی بھی برباد ہوگا'' اس شخص نے جو گمان کیا اسے لفظوں میں بیان کیا گیا۔ کہ باغ کبھی ختم اور برباد نہیں ہوگا۔ اس طرح وہ دنیا پر مطمئن ہو کر آخرت کا انکار کر گیا۔

(3) ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ ''تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے تو مال اور اولاد لازماً دیے ہی جاتے رہیں گے؟'' (مریم:77)

(4) ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ ''اور یقیناً اگر ہم مصیبت کے بعد اُسے اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو یقیناً وہ ضرور کہے گا کہ یہ میرا حق ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر واقعی مجھے اپنے رب کی طرف پلٹایا گیا تو یقیناً اُس کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہی ہوگی۔ پھر یقیناً ہم اُن لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا ضرور بتائیں گے جو اُنہوں نے عمل کیے۔ اور یقیناً ہم ضرور اُنہیں سخت عذاب میں سے چکھائیں گے۔'' (حم سجدہ:50)

(5) ﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ (١٧) وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ (١٨) فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ (١٩) فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ (٢٠) فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ (٢١) اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ (٢٢) فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ (٢٣) اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ (٢٤) وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ (٢٥) فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ (٢٦) بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (٢٧) قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ (٢٨) قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (٢٩) فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ (٣٠) قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ (٣١)﴾ ''یقیناً ہم نے اُنہیں بھی ویسے ہی آزمائش میں ڈالا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب اُنہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے ہی اُس

کا پھل ضرور توڑلیں گے۔ وہ استثناء نہیں کر رہے تھے۔ چنانچہ تیرے رب کی طرف سے ایک اچانک عذاب پھر گیا حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ تو وہ باغ صبح کو کٹی ہوئی فصل کی مانند ہو گیا۔ پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔ یہ کہ صبح صبح اپنی کھیتی پر پہنچو، اگر تم پھل توڑنے والے ہو۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے۔ کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس (باغ میں) ہرگز داخل نہ ہونے پائے۔ اور صبح صبح وہ نکلے (اس خیال میں) کہ وہ مسکین کو روکنے پر قادر تھے۔ مگر جب اُنہوں نے اس باغ کو دیکھا تو کہا: ''یقیناً ہم ضرور راستہ بھولے ہوئے ہیں۔ بلکہ ہم محروم ہیں۔'' اُن میں سے بہتر آدمی نے کہا: ''کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟'' اُنہوں نے کہا: ''پاک ہے ہمارا رب! بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔'' پھر وہ ایک دوسرے پر متوجہ ہو کر آپس میں ملامت کرنے لگے۔ اُنہوں نے کہا: ہائے ہماری بربادی یقیناً ہم حد سے بڑھے ہوئے تھے۔'' (القلم:17,31)

(6) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ہی تناجش کرو (تناجش بیع کی ایک قسم ہے) اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے سے رُوگردانی کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔'' آپ ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: ''تقویٰ یہاں ہے۔ کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر پورا پورا احرام ہے، اس کا خون اور اس کا مال اور اس کی عزت وآبرو۔'' (مسلم:6541)

(7) جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا کہ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی بھی اچھی ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿اِنَّ اللهَ جَمِيْلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ﴾ ''اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال (خوبصورتی) ہی کو پسند فرماتا ہے'' تکبر تو حق کی طرف سے منہ موڑنے اور دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھنے کو کہتے ہیں۔'' (صحیح مسلم:265)

(8) سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے اور پھر مذکورہ حدیث کی طرح حدیث بیان کی اور اس حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ تم لوگ عاجزی اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ ہی کوئی کسی پر زیادتی کرے اور اسی روایت میں ہے کہ وہ لوگ تم میں مطیع و تابعدار ہیں کہ وہ نہ گھر والوں کو چاہتے ہیں اور نہ ہی مال کو۔'' (صحیح مسلم:7210)

(9) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اشرفی کا بندہ، روپے کا بندہ، چادر کا بندہ، کمبل کا بندہ ہلاک ہوا کہ اگر اسے کچھ دے دیا جائے تب تو خوش ہو جاتا ہے اور اگر انہیں نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری:2886)

سوال 2: انسان تکبر میں کب اور کیسے مبتلا ہوتا ہے؟

جواب:(1)انسان تکبر میں مبتلا ہو کر دوسروں کو کم تر سمجھنے لگتا ہے جن کو مال اور عزت میں کم حصہ ملا ہوتا ہے۔

(2)انسان کو تکبر میں مبتلا ہو کر یوں لگتا ہے کہ یہ دُنیا ختم ہونے والی نہیں۔

(3)انسان کو یوں لگتا ہے کہ اگر اس دُنیا کے بعد کوئی اور جہان آ بھی گیا تو جیسے یہاں حال اچھا ہے تو وہاں بھی ضرور ہی اچھا ہوگا۔

سوال3:انسان تکبر میں مبتلا ہونے سے کیسے بچ سکتا ہے؟

جواب:انسان جب یہ سمجھ لے کہ دُنیا میں انسان کو جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتا ہے تو وہ تکبر میں مبتلا ہونے سے بچ جاتا ہے۔

﴿وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾

''اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت بھی قائم ہونے والی ہے اور یقیناً اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا بھی دیا گیا تو یقیناً میں ضرور اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا'' (36)

سوال1:﴿وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾''اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت بھی قائم ہونے والی ہے اور یقیناً اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا بھی دیا گیا تو یقیناً میں ضرور اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً﴾''اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت بھی قائم ہونے والی ہے'' اس شخص کا اللہ تعالیٰ پر یقین کمزور تھا اور آخرت پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ قیامت کبھی نہیں آنے والی یعنی قیامت کا عقیدہ ہی غلط ہے۔

(2)اگر قیامت آئی بھی تو﴿لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾''یقیناً میں ضرور اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔'' اس کی یہ بات دو امور سے خالی نہیں: (i) یا تو وہ حقیقت حال کا علم رکھتا ہے۔ تب اس کا یہ کلام ٹھٹھے اور تمسخر کے طور پر ہے یہ اس کے کفر میں اضافے کا باعث ہے۔ (ii) یا تو وہ حقیقت میں یہی سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا تب وہ دنیا کا جاہل ترین شخص اور عقل سے بے بہرہ ہے۔ دنیا کی عطا اور آخرت کی عطا میں کون سا تلازم ہے کہ کوئی جاہل شخص اپنی جہالت کی بنا پر یہ سمجھے کہ جسے اس دنیا میں عطا کر دیا گیا ہے اسے آخرت میں بھی عطا کیا جائے گا بلکہ غالب طور پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور خاص بندوں سے دنیا کو دور ہٹا دیتا اور اپنے دشمنوں کو دنیا عطا کرتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو حقیقت کا علم تھا مگر اس نے بات محض ٹھٹھے اور تمسخر کے طور پر کہی تھی اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ پس باغ میں داخل ہوتے وقت اس سے صادر ہونے والے کلمات سے اس کے وصف ظلم کا اثبات، اس کے تمرّد اور عناد پر دلالت کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:1519/2)

(3) کافر یہی کہتا ہے:﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِىْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ

رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾

''اور یقیناً اگر ہم مصیبت کے بعد اُسے اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو یقیناً وہ ضرور کہے گا کہ یہ میرا حق ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر واقعی مجھے اپنے رب کی طرف پلٹایا گیا تو یقیناً اُس کے پاس میرے لیے ضرور بھلائی ہی ہوگی۔ پھر یقیناً ہم اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ضرور بتائیں گے جو اُنہوں نے عمل کیے۔ اور یقیناً ہم ضرور اُنہیں سخت عذاب میں سے چکھائیں گے۔'' (فصلت:50)

(4) متکبر انسان امتحان کی حالت کو انعام کی حالت سمجھتا ہے پھر وہ ان انعامات کو اپنا حق سمجھتا ہے تو اس کے دل میں یہی بات بس جاتی ہے کہ آج انعام ہے تو کل کیوں نہ ہوگا جب کہ میں تو وہی ہوں۔

﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا﴾

''اس کے ساتھی نے جب کہ وہ باتیں کر رہا تھا اس سے کہا'' کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر پانی کی ایک بوند سے پھر تمہیں درست آدمی بنا دیا؟'' (37)

سوال1: ﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا﴾ ''اس کے ساتھی نے جب کہ وہ باتیں کر رہا تھا اس سے کہا'' کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر پانی کی ایک بوند سے پھر تمہیں درست آدمی بنا دیا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ﴾ ''اس کے ساتھی نے جب کہ وہ باتیں کر رہا تھا اس سے کہا'' اس کے مومن ساتھی نے اپنے کافر ساتھی کو نصیحت کرتے ہوئے ابتدائی حالات یاد دلائے جس میں اللہ تعالیٰ اسے وجود میں لایا۔

(2) ﴿اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا﴾ ''کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر پانی کی ایک بوند سے پھر تمہیں درست آدمی بنا دیا؟'' یعنی تو اپنے خالق کی نافرمانی نہ کرنا۔ اس نے انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی پھر اس کی نسل کی پیدائش کا آغاز حقیر پانی کی بوند سے کیا۔ جس نے تجھے وجود عطا کیا، نعمتیں دیں، تجھے مکمل آدمی بنا دیا، اس کے بارے میں تم یہ کہتے ہو کہ وہ تجھے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کرے گے؟

سوال2: ایک مومن کافر کو اس کی پیدائش کیوں یاد دلاتا ہے؟

جواب: (1) اپنی پیدائش سے انسان کو اپنی اصل حقیقت یاد آ جاتی ہے اور وہ رب کا شکر گزار بن جاتا ہے۔

(2) اپنی پیدائش کو یاد کرنے سے انسان کا تکبر ٹوٹتا ہے۔ (3) اپنی پیدائش کو یاد کر کے انسان کو رب یاد آ جاتا ہے۔

﴿لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا﴾

''لیکن وہی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو شریک نہیں کرتا'' (38)

سوال 1: ﴿لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا﴾ ''لیکن وہی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو شریک نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ﴾ ''لیکن وہی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے'' مومن نے کافر ساتھی سے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت کا اعتراف کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی میرا رب ہے۔

(2) ﴿وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا﴾ ''اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو شریک نہیں کرتا'' میں اس کے ساتھ کسی ایک کو شریک نہیں کرتا۔ میرے پاس اگرچہ مال اور اولاد کم ہے مگر حقیقی نعمت ایمان ہے، اس کے سوا ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے۔

سوال 2: بندۂ مومن نے اپنے آپ کو شرک سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے اپنے مشرک ساتھی کو کیا یاد دلایا؟

جواب: بندۂ مومن نے یاد دلایا کہ تم شرک کرتے ہو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے انعامات میں خود کو شریک ٹھہراتے ہو۔ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی بجائے اپنی بڑائی چاہتے ہو۔

﴿وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا﴾

''اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ کیوں نہ کہا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت نہیں، اگر تو نے مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھا ہے'' (39)

سوال 1: ﴿وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ''اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ کیوں نہ کہا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ''اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ کیوں نہ کہا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت نہیں'' مومن نے کہا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت تکبر کرنے کی بجائے تم ماشاء اللہ کہتے یعنی جسے اللہ تعالیٰ چاہے باقی رکھے اور جسے چاہے فنا کر دے۔

(2) دولت ونعمت پانے کے بعد انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ عام انسانوں سے کوئی بلند تر ہے اور جو اس کو ملا ہے وہ اس کا خاندانی حق تھا یا اس

کے ذاتی علم وہنر کا نتیجہ تھا، جیسا کہ قارون نے کہا تھا، یہی غرور ہے جو ترقی کر کے بخل اور ظلم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی اور ارشاد ہے: ﴿لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ (۲۳) الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (۲۴)﴾ ''تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور جو تمہیں وہ عطا کرے اس پر پھول نہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کسی خود پسند، فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو شخص منہ موڑ جائے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بے پرواہ، بہت تعریفوں والا ہے۔'' (الحدید:23,24)

(3) اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جو نعمتیں اتاری ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی قدر پہچانے، اس کی مقام کو جانے، اس کے حق کو مانے اور دل وجان سے اس کا شکر ادا کرے۔ ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں نہایت کمزور سمجھے جاتے تھے، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک کر لے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں قوت دی اور تمہیں پاک چیزوں میں سے رزق دیا، تاکہ تم شکر ادا کرو۔'' (الانفال:26)

(4) ﴿وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ ''اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں قیامت کے دن کے بارے میں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے لیکن کثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔'' (یونس:60)

(5) اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی چیز اچھی لگے تو ﴿مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ پڑھنا چاہیے۔

(6) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں جنت کا خزانہ نہ بتاؤں؟ وہ خزانہ ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔'' اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے اس بندے نے مان لیا اور اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا صرف لاحول نہیں بلکہ وہ جو سورہ کہف میں ہے یعنی: ﴿مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (ابن کثیر:269/3)

(7) جو چار کلمات کا اہتمام کرے وہ نظر بد سے بچ سکتا ہے۔ (i) جو حسبنا اللہ کہتا ہے اسے شیطان کی چالوں سے بچا لیا جاتا ہے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِيْمَانًا ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ ''جن سے لوگوں نے کہا کہ یقیناً دشمن لوگ تمہارے خلاف لشکر جمع کر چکے ہیں لہٰذا تم اُن سے ڈر جاؤ، چنانچہ اس نے ان کو ایمان میں اور زیادہ کر دیا، اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔'' (آل عمران:173)

(ii) جو کہتا ہے میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا، اسے لوگوں کی چالوں سے بچا لیا جاتا ہے: ﴿فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (۴۴) فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ (۴۵)﴾

''چنانچہ جو کچھ میں تمہیں کہہ رہا ہوں جلد ہی تم یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کو برے نتائج سے بچا لیا جو انہوں نے تدبیریں کیں اور آلِ فرعون کو بُرے عذاب نے گھیر لیا۔'' (مومن:44,45)

(iii)﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ''آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، یقیناً میں ہی ظالموں میں سے تھا۔'' (الانبیاء:87) جو کہتا ہے اسے غم سے بچا لیا جاتا ہے۔ (قرطبی:295/5) (iv)﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ پڑھنے سے نظر بد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(8) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور جب ہم بلندی پر چڑھتے تو (زور سے چلا کر) تکبیر کہتے اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! اپنے اوپر رحم کھاؤ! اللہ بہرا نہیں ہے اور نہ وہ کہیں دور ہے تم ایک سننے اور، ایک بہت واقف کار اور قریب رہنے والی ذات کو بلاتے ہو پھر نبی ﷺ میرے پاس آئے۔ میں اس وقت دل میں ﴿لا حول ولا قوة الا باللہ﴾ کہہ رہا تھا۔ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا عبداللہ بن قیس! ﴿لا حول ولا قوة الا باللہ﴾ کہا کرو کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ یا آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں۔ (صحیح بخاری:7386)

(9) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب موذن ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ کہے تو تم میں سے کوئی ایک ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ کہے۔ پھر موذن ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہے تو یہ بھی ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہے۔ پھر موذن ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کہے تو یہ بھی ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کہے۔ پھر وہ ﴿حَیَّ عَلَى الصَّلَاةِ﴾ کہے تو یہ ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ کہے۔ پھر وہ ﴿حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ﴾ کہے تو یہ ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ کہے۔ پھر وہ ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ کہے تو یہ بھی ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ کہے پھر وہ ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہے تو یہ بھی ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ خلوص دل سے کہے تو یہ (ضرور) جنت میں داخل ہوگا۔'' (مسلم:850)

(10) عبادہ بن صامت نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص رات کو بیدار ہو کر یہ دعا کرے: ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کے لیے ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی ہمت'' پھر یہ پڑھے ''اے اللہ میری مغفرت فرما'' (یا یہ کہا کہ) کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے پھر اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو نماز بھی مقبول ہوگی'' (صحیح بخاری:1154)

سوال 2:﴿اِنۡ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنۡكَ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ ''اگر تو نے مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿اِنۡ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنۡكَ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ ''اگر تو نے مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھا ہے'' مومن نے اپنے کافر ساتھی سے کہا کہ تم مال اور اولاد پر فخر کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ میں مال اور اولاد کے لحاظ سے تم سے کم تر ہوں مگر جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے اور جو امید اللہ تعالیٰ کی نوازش اور احسان سے رکھی جاسکتی ہے وہ اس دنیا و مافیہا سے بہتر ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

﴿فَعَسٰی رَبِّیۡۤ اَنۡ یُّؤۡتِیَنِ خَیۡرًا مِّنۡ جَنَّتِكَ وَیُرۡسِلَ عَلَیۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِیۡدًا زَلَقًا﴾

''تو اُمید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمادے گا اور اس پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے تو وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے گا'' (40)

سوال 1:﴿فَعَسٰی رَبِّیۡۤ اَنۡ یُّؤۡتِیَنِ خَیۡرًا مِّنۡ جَنَّتِكَ وَیُرۡسِلَ عَلَیۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِیۡدًا زَلَقًا﴾ ''تو اُمید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمادے گا اور اس پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے تو وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَعَسٰی رَبِّیۡۤ اَنۡ یُّؤۡتِیَنِ خَیۡرًا مِّنۡ جَنَّتِكَ وَیُرۡسِلَ عَلَیۡهَا﴾ ''تو اُمید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمادے گا اور اس پر بھیج دے'' یعنی اس باغ نے تجھے دھوکے میں رکھا تھا اور تو نے سرکشی کا رویہ اختیار کیا۔ امید ہے میرا رب مجھے اس سے بہتر عطا کرے گا۔ یعنی تیرے باغ سے بہتر باغ۔

(2)﴿حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ''آسمان سے کوئی آفت'' یعنی کسی قسم کا عذاب، بارشیں، زلزلے یا کچھ اور۔

(3) مومن جو کچھ موجود ہوتا ہے اس پر قناعت کرتا ہے پھر یہ اُمید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اور زیادہ دے گا۔

(4)﴿فَتُصۡبِحَ صَعِیۡدًا زَلَقًا﴾ ''تو وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے گا'' تم جس باغ کے متعلق یقین رکھتے ہو کہ وہ کبھی خراب نہیں ہوگا تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر کوئی آفت بھیج دے، اتنی بارش ہو کہ سارا باغ برباد ہو جائے، لہلہاتے باغوں کی جگہ چکنی زمین پڑی رہ جائے۔

(5) مومن نے اپنے ساتھی کو باغ پر آسمان سے آنے والی آفت سے اس لئے ڈرایا کہ انسان کی زندگی میں حادثات پیش آتے رہتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جس پر انسان کا ذاتی قبضہ ہو اس لئے مومن نے توجہ دلائی کہ یہ سب کچھ جسے تم اپنا سمجھتے ہو وہ تمہارا ہے نہیں۔

﴿اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا﴾

”یا اُس کا پانی گہرا ہو جائے، پھر تم اس کی تلاش کی قطعاً استطاعت نہ رکھو گے“(41)

سوال1:﴿اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا﴾”یا اُس کا پانی گہرا ہو جائے پھر تم اس کی تلاش کی قطعاً استطاعت نہ رکھو گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا﴾”یا اُس کا پانی گہرا ہو جائے“یعنی باغ کے پانی کا چشمہ۔

(2)﴿فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا﴾”پھر تم اس کی تلاش کی قطعاً استطاعت نہ رکھو گے“یعنی پانی اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ تم کھدائی کے آلات کے ذریعے بھی وہاں نہ جا سکو۔

(3)مومن حقیقت پسند ہوتا ہے وہ اپنے تصور سے ہر چیز سے محروم ہو کر سبق لیتا ہے کہ اس کے پاس عاجزی کے سوا کچھ نہیں اور اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آگے عاجز بنا کر ڈال دیتا ہے۔

﴿وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی مَآ اَنْفَقَ فِیْهَا وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا﴾

”اور اس کے پھل کو گھیر لیا گیا چنانچہ وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا جو اُس نے اس میں خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہنے لگا:”اے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا!“(42)

سوال1:﴿وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی مَآ اَنْفَقَ فِیْهَا وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا﴾”اور اس کے پھل کو گھیر لیا گیا چنانچہ وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا جو اُس نے اس میں خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ﴾”اور اس کے پھل کو گھیر لیا گیا“یعنی اس کے پھل کو گھیر کر تباہ کر دیا گیا اور اس میں کچھ بھی نہ چھوڑا گیا۔(2)﴿فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی مَآ اَنْفَقَ فِیْهَا وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا﴾”چنانچہ وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا جو اُس نے اس میں خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا“یعنی اس نے باغ پر جو اخراجات کیے تھے وہ سب ضائع ہو گئے۔اس نے افسوس کرتے ہوئے اپنے شرک پر پشیمان ہوتے ہوئے کہا۔

سوال2:﴿وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا﴾”اور وہ کہنے لگا:”اے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا!“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)کف افسوس ملتے ہوئے اس شخص نے کہا: کاش وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔(2)اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھایا

ہے کہ(i) دُنیا میں جو باغ تم نے اُگایا تمہارا ذاتی نہیں لیکن تم اُس پر اپنی ملکیت سمجھ کر شرک کرتے ہو۔(ii) اللہ تعالیٰ نے ہاتھ ملتے ہوئے انسان کے منظر کو سامنے رکھ کر سمجھایا ہے کہ تمہیں بھی شرک کی نفی کرنی ہے۔کیا اُسی دن یاد آئے گا جب کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں نہ رہے گا۔(iii) اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، قادرِ مطلق ہے، قوتوں کا مالک ہے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں۔

﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا﴾

''اور اس کے پاس کوئی جتھا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کی مدد کرتا اور نہ ہی وہ خود بچنے والا ہوا'' (43)

سوال1: ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا﴾ ''اور اس کے پاس کوئی جتھا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کی مدد کرتا اور نہ ہی وہ خود بچنے والا ہوا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا﴾ ''اور اس کے پاس کوئی جتھا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کی مدد کرتا اور نہ ہی وہ خود بچنے والا ہوا'' یعنی جس باغ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو ہر چیز ہاتھوں سے نکل گئی۔

(2) اسے اپنی اولاد اور جس جتھے کا ناز تھا کہ اس کے مددگار رہوں گے وہ اس سے کچھ بھی عذاب دور نہ کر سکے۔

(3) زمین و آسمان کے رہنے والے سب مل کر بھی کوئی مدد کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے، نہ وہ خود ہی مدد کر سکا۔

سوال2: انسان کو یہ بات کب سمجھ آتی ہے کہ اس کی کوئی تدبیر اسے بچا نہیں سکتی؟

جواب: انسان کی زندگی میں آنے والے حادثات اسے یقین دہانی کرواتے ہیں کہ قابلیت اور تدبیر اللہ تعالیٰ کے آگے کام نہیں آسکتی۔

﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا﴾

''وہاں ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو برحق ہے۔وہی بہترین ہے ثواب دینے والا اور بہترین انجام والا ہے'' (44)

سوال1: ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا﴾ ''وہاں ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو برحق ہے۔وہی بہترین ہے ثواب دینے والا اور بہترین انجام والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ ''وہاں ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو برحق ہے'' وہ شخص پکار رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہی برحق ہے، اسی کا انعام بہتر اور اسی کا دیا ہوا بدلہ اچھا ہے۔

(2) جو کوئی ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ولی اور دوست ہے۔وہ اسے کرامتوں کے ذریعے عزت دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دینی اور دنیوی ثواب بہترین ہے۔

(3) یعنی اس حال میں جس میں اللہ تعالیٰ اس شخص کو سزا دینے کا حکم جاری کرتا ہے جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی۔اور

عزت وتکریم اس شخص کے لئے جس نے ایمان لاکر نیک عمل کئے،اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا رہااور دوسروں کواس کی طرف دعوت دیتا رہا۔اس بناپر واضح ہوگیا کہ حقیقی ولایت کا مالک صرف اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔پس جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر تقویٰ اختیار کرتا ہے،اللہ تعالیٰ اس کا ولی اور دوست ہے،وہ اسے مختلف اقسام کی کرامت کے ذریعے سے تکریم بخشتا ہے اور اس کو شر اور تمام آفتوں سے بچاتا ہے۔جو اپنے رب پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ اسے اپنا ولی اور سرپرست بناتا ہے،وہ دین و دنیا میں خسارہ اٹھاتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دنیاوی اور اخروی ثواب بہترین ثواب ہے جس پر امیدوں کو مرتکز ہونا چاہیے۔(تفسیر سعدی:1522,1523/2)

سوال2:ولایت کا کیا مطلب ہے؟

جواب:ولایت کا مطلب مدد،نصرت ہے۔

سوال3:انسان کو کب یہ سمجھ آتی ہے کہ سارا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اور وہی بہترین اجر دینے والا،اور بہترین انجام تک پہنچانے والا ہے؟

جواب:(1)انسان کو اللہ تعالیٰ دُنیا میں مختلف حادثات،مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ سبق لے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کو اہمیت دینے کی غلطی نہ کرے۔

(2)انسان اگر ظالم بن جائے تو کسی چیز سے سبق نہیں لیتا جب تک وہ ہر چیز سے محروم ہو کر یہ نہ دیکھ لے کہ اس کے پاس عاجزی کے سوا کچھ نہیں۔

سوال4:اس قصے میں ہمارے لئے کیا عبرتیں ہیں؟

جواب:(1)اس عظیم قصے میں اس شخص کے حال میں جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتیں عنایت کیں،مگر ان نعمتوں نے اسے آخرت سے غافل کر کے سرکش بنادیا اور وہ ان میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگا لوگوں کے لئے عبرت ہے کہ ان نعمتوں کا انجام زوال اور اضمحلال ہے اگر بندہ ان نعمتوں سے تھوڑا فائدہ اٹھاتا ہے تو طویل عرصے تک محرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بندہ مومن کے لئے مناسب یہی ہے کہ جب اسے اپنے مال اور اولاد میں سے کچھ اچھا لگے تو وہ اس نعمت کو نعمت عطا کرنے والے کی طرف منسوب کرے اور یہ کہے:

(ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ) تاکہ وہ شکر گزار بنے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بقا کے لئے سبب بننے والا بنے۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ''اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ کیوں نہ کہا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت نہیں''(الکھف:39)

(2)ان آیات کریمہ میں لذت دنیا اور اس کی شہوات کے بدلے میں ان بہتر چیزوں کے ذریعے تسلی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔فرمایا:﴿اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا (39) فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ (40)﴾ ''اگر تو نے مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر دیکھا ہے۔تو اُمید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمادے گا''(الکھف:39,40)

(3)ان آیات کریمہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ مال اور اولاد اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مددگار نہ بنیں تو وہ کوئی فائدہ نہیں دیتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾"اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسے نہیں ہے جو تمہیں ہمارے کچھ بھی قریب کرتے ہوں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔" (سبا:37)

(4)اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جس شخص کا مال اس کی سرکشی، کفر اور اس کے لئے اخروی خسارے کا سبب ہو اس مال کے تلف ہونے کی دعا کرنا جائز ہے۔ خاص طور پر جبکہ وہ اس مال کی بنا پر اپنے آپ کو اہل ایمان سے افضل سمجھتا ہو اور ان پر فخر کا اظہار کرتا ہو۔ ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت اور عدم ولایت، اس وقت ظاہر ہوگی جب غبار چھٹ جائے گا، جزا و سزا ثابت ہوگی اور عمل کرنے والے اپنا اجر پالیں گے:﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا﴾"وہاں ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو برحق ہے۔ وہی بہترین ہے ثواب دینے والا اور بہترین انجام والا ہے" (الکھف:44)(تفسیر سعدی:1523/2)

رکوع نمبر 6

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾

"اور آپ اُنہیں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کردیں، جیسا کہ پانی، جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اُس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہوگئیں پھر وہ چورا ہوگئیں، جسے ہوائیں اُڑائے پھرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے"(45)

سوال1:﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ﴾"اور آپ اُنہیں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کردیں جیسا کہ پانی، جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اُس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہوگئیں پھر وہ چورا ہوگئیں، جسے ہوائیں اُڑائے پھرتی ہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾"اور آپ اُنہیں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کردیں" رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے سامنے دنیا کی زندگی کے زوال اور اس کے فنا ہونے کی مثال بیان فرمائیں تاکہ وہ اس کی حقیقت جان کر ہمیشہ رہنے والی زندگی سے اس کا تقابل کریں اور اسے ترجیح دیں جس کا حق ہے کہ اسے ترجیح دی جائے۔

(2)﴿كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾"جیسا کہ پانی، جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا" اس زندگی کی مثال بارش کی سی ہے جو آسمان سے برستی ہے تو زمین اسے اپنے اندر جذب کرلیتی ہے۔

(3)﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾"پھر اُس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہوگئیں" اس سے طرح طرح کی چیزوں کے درخت

پیدا ہوئے، پروان چڑھے، اس کی کلیاں اور پھول نکلے، اس کی خوب صورتی اور رونق دیکھنے والوں کو متاثر کرتی ہے۔لوگ اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بے پرواہ لوگوں کو بھی یہ مناظر اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

(4)﴿فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ﴾ ''پھر اُس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہوگئیں پھر وہ چورا ہوگئیں'' پھر وہ نباتات سوکھ جاتی ہیں اور چورا چورا ہو کر زمین پر گر پڑتی ہیں۔ان کے ذرے ہوا میں اڑتے نظر آتے ہیں۔ہوائیں انہیں اڑا کر لے جاتی ہیں۔سارا منظر بدل جاتا ہے۔تازگی، روئیدگی، خوب صورتی اور حسن ختم ہو جاتا ہے۔زمین چٹیل میدان بن جاتی ہے جس سے نظریں ہٹ جاتی ہیں، ہر طرف خاک اڑتی ہے اور دل وحشت محسوس کرتے ہیں۔

(5) دنیا کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ہر شخص کو اپنی جوانی اچھی لگتی ہے۔اس زندگی میں مگن لوگ اپنے دوستوں سے آگے نکل جاتے ہیں اور مال و دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں، لذتوں اور شہوتوں میں گم ہو جاتے ہیں اور یہی سمجھتے ہیں کہ ان خوشیوں کو زوال نہیں آئے گا کہ اچانک موت آجاتی ہے یا اس کا مال ضائع ہو جاتا ہے، اس کی لذتیں چھن جاتی ہیں، اس کی خوشیاں اس سے روٹھ جاتی ہیں۔اس کا دل دکھوں اور مصیبتوں سے وحشت کھاتا ہے۔اس کا مال، اس کی جوانی، اس کی قوت اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور وہ اپنے اچھے برے اعمال کے ساتھ اکیلا باقی رہ جاتا ہے۔یہی وہ حال ہے جب ظالم کو حقیقت کا علم ہوگا تو وہ اپنے ہاتھ چبائے گا اور تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں ایک بار واپس بھیجا جائے گا اور تمنا کرے گا، اس لیے نہیں کہ ناکام آرزوؤں کو پورا کر لے بلکہ اس لیے کہ غفلت میں جو غلطیاں، کمیاں، کوتاہیاں ہوئیں توبہ اور نیک اعمال کے ذریعے ان کی تلافی کر لے۔

(6) عقل مند وہ ہے جو اپنے آپ کو مرنے کے بعد کی زندگی میں دیکھ لیتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے کہ اسے دنیا کی زندگی سے جانوروں کی طرح فائدہ اٹھانا ہے یا جنت کے حصول کے لیے عمل کرنا ہے جس کی نعمتیں کبھی زوال پذیر نہیں ہوں گی۔جہاں کسی کی خوشیوں کو غم نہیں آئے گا، جہاں کسی کی جوانی کو بڑھاپا نہیں آئے گا، جہاں کسی کی زندگی کو موت نہیں آئے گی، جہاں کی لذتیں زوال پذیر نہیں ہوں گی۔

(7) یہ سوچ اس شخص کی ہوتی ہے جو عقل رکھتا ہے اور پختہ ارادے کرتا ہے جسے رب العزت توفیق عطا فرماتے ہیں۔

(8) یہی وہ حالت ہے جس کے ذریعے معرفت حاصل ہوتی ہے۔جس کو توفیق مل جائے وہ حقیقی دنیا کے لیے کام کرتا ہے۔جس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے وہ حال مست اور مال مست بن کر زندگی گزارتا ہے۔جسے توفیق مل جائے وہ نفع اٹھاتا ہے اور جسے نہ ملے وہ نقصان اٹھاتا ہے۔

(9) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ ''دنیا کی زندگی کی مثال اُس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اُس سے زمین کی اُگنے والی چیزیں خوب مل جل گئیں اس میں سے جو انسان اور چوپائے

کھاتے ہیں یہاں تک کہ زمین نے اپنی رونق لے لی اور خوب مزین ہوگئی اور اس کے رہنے والوں نے یقین کرلیا کہ بے شک اب وہ اس پر قادر ہیں تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو آ گیا تو ہم نے اُسے کٹی ہوئی کردیا گویا کہ وہ کل یہاں کچھ بھی نہ تھی، ہم آیات کو ایسے ہی کھول کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' (یونس:24)

(10)﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ ''جان لو! بلاشبہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل، دل لگی اور زینت اور تمہارا آپس میں فخر کرنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے، جیسے بارش کی مثال ہے کہ اُس سے اگنے والی کھیتی کسانوں کو خوش کردیتی ہے، پھر وہ پک جاتی ہے تو آپ اُس کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی بھی ہے اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' (الحدید:20)

(11) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز (یعنی پرکشش) ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو (زمین میں) جانشین بنائے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ پس (اس میٹھی اور پرکشش) دنیا سے بچ کر رہو اور عورتوں سے بھی محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوا۔'' (صحیح مسلم:6948)

(12) سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''دنیا کی مٹھاس آخرت کی کڑواہٹ ہے اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی مٹھاس ہے۔'' (مسند احمد)

(13) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔'' (صحیح مسلم:7417)

(14) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک دن ممبر پر تشریف فرما ہوئے ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں تمہارے متعلق اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا کی آرائش اور زیبائش کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔'' ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اچھائی برائی پیدا کرے گی؟ اس پر نبی ﷺ خاموش ہوگئے۔ اس لیے اس شخص سے کہا جانے لگا کہ کیا بات تھی تم نے نبی ﷺ سے ایک بات پوچھی لیکن نبی ﷺ تم سے بات نہیں کرتے۔ پھر ہم نے محسوس کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، بیان کیا کہ پھر نبی ﷺ نے پسینہ صاف کیا (جو وحی نازل ہوتے وقت آپ کو آنے لگتا تھا) پھر پوچھا کہ سوال کرنے والے صاحب کہاں ہیں؟ ہم نے محسوس کیا کہ آپ نے اس کے (سوال کی) تعریف کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھائی برائی نہیں پیدا کرتی (مگر بے موقع استعمال سے برائی پیدا ہوتی ہے) کیونکہ موسم بہار میں بعض ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو جان لیوا اور تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے البتہ ہریالی

چرنے والا وہ جانور بچ جاتا ہے کہ خوب چرتا ہے اور جب اس کی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہیں تو سورج کی طرف رخ کر کے پاخانہ پیشاب کر دیتا ہے اور پھر چرتا ہے۔ اسی طرح یہ مال و دولت ایک خوشگوار سبزہ زار ہے اور مسلمان کا وہ مال کتنا عمدہ ہے جو مسکین، یتیم اور مسافر کو دیا جائے یا جس طرح نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں اگر کوئی شخص زکوۃ حقدار ہونے کے بغیر لیتا ہے تو اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کھاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور قیامت کے دن یہ مال اس کے خلاف گواہ ہوگا۔'' (صحیح بخاری:1465)

(15) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ (غزوہ خندق کے شروع ہونے سے کچھ پہلے جب خندق کی کھدائی ہو رہی تھی) میدان خندق کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم اجمعین سردی کی سختی کے باوجود صبح ہی صبح خندق کھودنے میں مصروف ہیں۔ ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے جو ان کی اس کھدائی میں مدد کرتے۔ آپ ﷺ نے ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی ''اے اللہ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما'' (صحیح بخاری:2834)

(16) ''مرنے والے کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ پھر دو چیزیں واپس آ جاتی ہیں جبکہ ایک چیز باقی رہ جاتی ہے۔ مرنے والے کے ساتھ اس کے گھر والے اور اس کا مال اور اس کا عمل جاتے ہیں۔ اس کے گھر والے اور اس کا مال تو واپس آ جاتے ہیں اور اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔'' (صحیح مسلم:7424؛ صحیح بخاری:6514)

(17) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہیں: جو کھایا اور ختم کر لیا، جو پہنا اور پرانا کر لیا اور جو اس نے (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) دیا اور (یہ اس نے آخرت کے لیے جمع کر لیا) اس کے علاوہ تو صرف جانے والا اور لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔'' (صحیح مسلم:7422)

(18) سیدنا سماک بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ سے خطبہ دیتے ہوئے سنا انہوں نے فرمایا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر کیا کہ لوگوں نے دنیا میں سے کیا کچھ حاصل کر لیا ہے۔ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ سارا دن بھوک کی وجہ سے بے قرار رہتے تھے۔ آپ کو سوکھی ہوئی اتنی سخت کھجور بھی میسر نہ ہوتی تھی جس سے اپنا پیٹ بھر لیتے۔ (صحیح مسلم:7461)

(19) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابنِ آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزوں میں جوان رہتا ہے: عمر کی حرص میں اور مال کی حرص میں۔'' (جامع ترمذی:2339)

(20) سیدنا کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔'' (جامع ترمذی:2336)

سوال 2: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ پیدا کرنے، زندہ رکھنے اور فنا کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔(قرطبی 268/5)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی مثال سے کیسے سمجھایا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی ناپائیداری کو مثال کے ذریعے سمجھایا ہے کہ جب آسمانوں سے پانی برستا ہے تو نباتات کے ساتھ مل جاتا ہے تو کھیتی لہلہا اُٹھتی ہے۔ ایک نئی زندگی ملتی ہے اور وہ وقت آتا ہے کہ کھیتی پک جاتی ہے۔ جب زمین سرسبز ہوتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ کھیتی ہمیشہ ایسی رہے گی مگر جب سبزہ سوکھ جاتا ہے تو بھوسے کو ہوائیں اُڑائے پھرتی ہیں۔ اتنی ہی جلدی دُنیا ختم ہونے والی ہے۔ ہوا کے جھونکے کی طرح پانی کے بلبلے کی طرح یا کھیتی کی طرح۔

(2) دُنیا کی زندگی میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

(3) دُنیا کی رونقیں ختم ہونے والی ہیں مگر نیک اعمال باقی رہنے والے ہیں دُنیا کی رونقوں کو قیامت اس طرح ختم کر دے گی جیسے اُن کا کوئی وجود نہ ہو مگر نیک اعمال باقی رہنے والے ہیں۔

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾

''مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں، اور اُمید میں بھی زیادہ اچھی ہیں'' (46)

سوال 1:﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں'' مال اور اولاد کی محبت انسان کے اندر رکھ دی گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ ''لوگوں کے لیے نفسانی خواہشات کی محبت خوش نما بنادی گئی، جو عورتیں اور بیٹے اور سونا چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان زدہ گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں۔ یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔'' (آل عمران:14)

(2) مال اور اولاد تو آزمائش ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ ''تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تو بس آزمائش ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔'' (التغابن:15)

(3)﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقینا تمہاری بیویوں اور تمہاری اولادوں میں سے بعض تمہارے لیے دشمن ہیں سو اُن سے ہوشیار ہو اور اگر تم معاف کردو اور درگزر کرو اور بخش دو تو یقینا اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (التغابن:14)

(4) مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں ہمیشہ کی زندگی کی نہیں اور یہ زندگی جلد فنا ہونے والی ہے۔ اس لیے کسی عقل مند آدمی کے لائق نہیں کہ وہ مال اور بیٹوں پر فخر جتائے اور غرور کرے۔

(5) مال اور بیٹوں میں جمال اور نفع ہے۔ بیٹے انسان کے لیے قوت اور مدافعت کا ذریعہ ہیں اس لیے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ (تفسیر منیر:284,285/8)

سوال 2: مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اس کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

جواب: (1) اسلام دُنیا کی زندگی کی زینت کو اس کی قدر و قیمت کے اعتبار سے اہمیت دیتا ہے یعنی کوئی چیز فانی ہے تو قدر و قیمت کم ہے اور باقی چیز کی قدر و قیمت زیادہ ہے۔

(2) مال اور اولاد کو اسلام نے قدر و قیمت دی ہے اس اعتبار سے کہ وہ انسان کی آخرت کے لیے باقی رہنے والی نیکیوں کا سبب بنیں۔

(3) مال اور اولاد کو اسلام نے معیار اور میزان نہیں بنایا کہ لوگوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کے اعتبار سے لگایا جائے۔

(4) آخرت میں مال اور اولاد نہیں اعمال صالح کام آنے والے ہیں اس لیے اسلام ضرورت سے زیادہ مال اور اولاد کو قدر و قیمت کا حامل نہیں سمجھتا۔ (5) اسلام باقیات صالحات کو بہتر سمجھتا ہے اور اُن ہی سے اُمیدیں وابستہ کرنا درست ہے۔

سوال 3: ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾ ''اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں، اور اُمید میں بھی زیادہ اچھی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾ ''اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں، اور اُمید میں بھی زیادہ اچھی ہیں'' رب العزت نے آگاہ فرمایا ہے کہ انسان کے لیے جو چیز باقی رہ جاتی ہے، جو چیز اسے نفع دیتی ہے، جو چیز اسے ہمیشہ کی خوشیاں دینے والی ہے وہ باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔

(2) باقی رہنے والی نیکیوں میں واجب اور مستحب سب نیکی کے کام شامل ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق۔

(3) ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ سے مراد پانچ وقت کی فرض نمازیں ہیں اور یہ کلمے بھی ﴿سبحان الله والحمد لله و لا اله الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم﴾ (مسند احمد)

(4) نماز، زکوۃ، حج، صدقہ، عمرہ، تسبیح تہلیل تحمید، تلاوت قرآن، علم حاصل کرنا، صلہ رحمی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا، غلاموں اور جانوروں کے حقوق کا احترام کرنا، مخلوق کے ساتھ ہر اعتبار سے اچھا سلوک کرنا، یہ سب باقی رہنے والی نیکیاں ہیں جن

کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے۔ اور انہی اعمال کا اجر وثواب باقی رہتا ہے۔ ان سے ہی اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ ضرورت کے وقت ان اعمال کے اجر وثواب اور نفع کی امید کی جاسکتی ہے۔

(5) باقیات صالحات ہی وہ اعمال ہیں جن میں سبقت لے جانے والوں کو سبقت لے جانی چاہیے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کے مقابلے میں باقیات صالحات کو پیش کر کے کیا سمجھایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی زندگی کی زینت کے مقابلے میں باقیات صالحات کو پیش کر کے انسان کو یہ سمجھایا ہے کہ دُنیا فانی ہے اس کی رونقیں باقی رہنے والی نہیں ہیں۔

(2) ہمیشہ باقی رہنے والے انسان کے نیک اعمال ہیں۔

(3) انسان کو نیکیوں کا سدا بہار باغ اگانا چاہیے۔ اُس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔ یہ باغ اللہ تعالیٰ کی یاد سے، اُس کی فرماں برادری سے اُگتا ہے۔

﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾

''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے'' (47)

سوال 1: ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾ ''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾ ''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے'' اللہ رب العزت نے قیامت کے دن کے حالات بیان فرمائے ہیں اور قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں کا ذکر ہے۔

(2) اس دن اللہ رب العزت پہاڑوں کو ان کے مقام سے ہٹا دے گا۔ ﴿يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا (۹) وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا (۱۰)﴾ ''جس دن آسمان لرزے گا، سخت لرزنا۔ اور پہاڑ چلیں گے، بہت چلنا۔'' (الطور 9,10)

(3) پہاڑ ریت کے ٹیلے بن جائیں گے اور غبار کی مانند اڑ جائیں گے۔ ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ط اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ''اور آپ پہاڑوں کو دیکھو گے، آپ انہیں جما ہوا گمان کرو گے حالانکہ وہی بادلوں کے چلنے کی طرح چل رہے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوب مضبوط بنایا ہے یقیناً وہ خوب باخبر ہے اُس سے جو تم کرتے ہو۔'' (النمل: 88)

(4) جس دن پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔ ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ ''اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین

اون کی طرح ہو جائیں گے۔'' (القارعہ:5)

(5) ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾ ''اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے'' زمین ایک چٹیل اور ہموار میدان کی طرح ہو گی جس میں کوئی نشیب و فراز نہ ہوگا۔ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (۱۰۵) فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا (۱۰۶) لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (۱۰۷)﴾ ''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ آپ کہہ دیں میرا ربّ اُنہیں اُڑا کر بکھیر دے گا۔ پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا۔ آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ۔'' (طٰہٰ:105،107)

(6) (i) اللہ تعالیٰ نے کائنات کے بدلتے منظر کو دکھایا ہے کہ کس طرح بڑے بڑے پہاڑ قیامت کے دن دُھواں بن جائیں گے۔ پہاڑ تیزی سے چلیں گے اور زمین چٹیل میدان بن جائے گی اور انسان گھیر کر جمع کر دیئے جائیں گے۔ اس منظر میں زمین کی سرسبزی اور شادابی ختم ہو چکی ہے۔ پہاڑ اور خوب صورت وادیاں مٹ چکی ہیں اور دُنیا کی رونقوں پر مطمئن دل ہول کھا چکے ہیں۔ اس منظر سے اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ تم دُنیا میں خود کو با اختیار پاتے ہو قیامت کے دن یہ فضا ختم ہو جائے گی۔ سب لوگ بے یار و مددگار رب کے پاس جمع کر دیئے جائیں گے اور اپنے بارے میں فیصلہ سُنیں گے۔

(ii) اللہ تعالیٰ نے با اختیار انسان کو بے اختیاری کی فضا میں لے جا کر یہ سمجھایا ہے کہ دُنیا کی رونقیں عارضی ہیں کل قیامت کے دن یہ لگے گا کہ رونقوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔

(iii) اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ جب زمین کی رونقیں ختم ہو جائیں گی، زمین خالی ہو جائے گی تو اکڑنے اور فخر کرنے کا سامان ختم ہو جائے گا۔

سوال 2: ﴿وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ ''اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّحَشَرْنٰهُمْ﴾ ''اور ہم ان سب کو جمع کریں گے'' اللہ تعالیٰ زمین پر ساری مخلوق کو اکٹھا کریں گے۔

(2) ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ (۴۹) لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (۵۰)﴾ ''آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے اور پچھلے۔ ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں۔ (الواقعہ:49،50)

(3) ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ ''بلاشبہ اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے، وہ ایسا دن ہے جس کے لیے سب لوگ جمع کیے جائیں گے۔ اور وہ حاضری کا دن ہوگا۔'' (ہود:103)

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ننگے پاؤں، ننگے جسم بلا ختنہ کے اٹھائے جاؤ گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس پر میں نے پوچھا: یارسول اللہ! تو کیا مرد عورتیں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت معاملہ اس سے

زیادہ سخت ہوگا۔اس کا خیال بھی کوئی نہیں کر سکے گا۔(صحیح بخاری:6527)

(5)﴿فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ ''چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے'' چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔وہ سب کو صحراؤں، سمندروں اور میدانوں سے نکال کر اکٹھا کرے گا، جن کے اعضاء بکھر چکے ہوں گے پھر ان کو نئی زندگی دے گا۔

﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا﴾

''اور وہ سب آپ کے رب کے حضور صَف دَر صَف پیش کیے جائیں گے، بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً ویسے ہی آ گئے جیسے ہم نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا تھا بلکہ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہم تمہارے لیے کبھی کوئی وعدے کا وقت مقرر نہیں کریں گے'' (48)

سوال 1:﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا﴾ ''اور وہ سب آپ کے رب کے حضور صَف در صَف پیش کیے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا﴾ ''اور وہ سب آپ کے رب کے حضور صَف دَر صَف پیش کیے جائیں گے'' اللہ رب العزت کے سامنے ساری مخلوق صفیں باندھ کر کھڑی ہوگی تاکہ وہ ان سے جواب دہی کرے اور ان کے اعمال کے مطابق عدل سے فیصلہ کرے جس میں کوئی ظلم نہ ہوگا۔

(2)رب العزت نے فرمایا:﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ ''جس دن جبرئیل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔ (النبأ:38)

(3)﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ ''اور تمہارا رب آئے گا اور فرشتے بھی صف در صف آجائیں گے۔'' (الفجر:22)

(4)﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً ویسے ہی آ گئے جیسے ہم نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا تھا'' تم تمہارے پاس اسی طرح آ گئے جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔تمہارے ساتھ نہ تمہارا مال ہے، نہ گھر والے، نہ کنبہ قبیلہ صرف اعمال ہیں۔نیکی اور بدی تمہارے ساتھ ہے جیسا کہ فرمایا:﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ ''اور بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً اکیلے آ گئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو بھی ہم نے تمہیں دیا تھا تم اپنی پشتوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا گمان تھا

کہ یقیناوہ تمہارا کام بنانے میں حصہ دار ہیں بلاشبہ تمہارا رشتہ یقیناٹوٹ گیا اور تم سے وہ سب گم ہو گئے جن کو تم گمان کیا کرتے تھے۔''
(الانعام:94)

(5) اللہ تعالیٰ نے انسان کو مستقبل کے واقعات یوں دِکھائے ہیں گویا کہ وہ اب پیش آرہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ کانوں سے رب کی آواز سنائی دے رہی ہو اور چہرے پر شرمندگی ہے، دل ندامت اور خوف سے اُڑا جا رہا ہے۔

(i) تم ہمارے پاس آ گئے جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا (ii) تم نے گمان کیا تھا تمہارے لیے وعدہ کا وقت مقرر نہیں ہے۔

(6) ﴿بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا﴾ ''بلکہ تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہم تمہارے لیے کبھی کوئی وعدے کا وقت مقرر نہیں کریں گے'' اس مقام پر اللہ تعالیٰ آخرت کا انکار کرنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمائیں گے کہ تمہارا یہ گمان تھا کہ قیامت نہیں آئے گی اور یہ واقعات تمہارے ساتھ پیش نہیں آئیں گے۔

(7) تم جزا و سزا کا انکار کرتے تھے اور تمہارے رب نے وعدہ کر رکھا تھا۔ لو دیکھو آ گیا وعدہ رب کا اور تم نے اسے دیکھ لیا اور تم نے اسے چکھ لیا۔

(8) اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعوری طور پر ایسی فضا میں پہنچا دیا ہے جہاں وہ بے یار و مددگار ہے۔ فیصلے کا منتظر ہے اور عاجز ہے۔ انسان آزادی اور بااختیاری سے غافل اور اور سرکش بن جاتا ہے۔ انسان خود کو عاجز دیکھتا ہے تو اس کے اندر رجوع الی اللہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عاجزی کو اس لیے دِکھایا ہے کہ انسان آج اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾

''اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا'' (49)

سوال 1: ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ ''اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ ''اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی'' اس وقت اعمال نامے حاضر کیے جائیں گے جو کراماً کاتبین لکھتے تھے۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (۱۰) كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (۱۱) يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (۱۲)﴾ ''حالانکہ یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں۔معزز لکھنے والے۔وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔(انفطار:10،12)

(2)﴿هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''یہ ہمارا نامہ اعمال ہے جو تمہارے خلاف حق کے ساتھ بول رہا ہے، یقیناً ہم لکھواتے جاتے تھے جو کچھ بھی تم عمل کیا کرتے تھے۔'' (الجاثیہ:29)

(3)﴿فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ﴾ ''پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا'' یہ وہ موقع ہوگا جب نامہ اعمال دیکھ کر دل اڑنے لگیں گے۔ان کو دیکھ کر غم اور مشقت بڑھ جائے گی اور مجرم ڈر جائیں گے۔

(4)﴿وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ ''اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے'' جب مجرم نامہ اعمال میں ہر چھوٹی بڑی، اچھی بری بات لکھی دیکھیں گے تو وہ کہیں گے یہ عجیب کتاب ہے کوئی چھوٹا بڑا گناہ ایسا نہیں جو اس میں نہ لکھا ہو۔کوئی کھلا چھپا دن رات میں کیا گیا عمل ایسا نہیں جو لکھنے سے چھوٹ گیا ہو۔

(5)﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ ''اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے'' وہ ان اعمال کا انکار نہیں کر سکیں گے۔﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ ''اُس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے۔'' (القیامہ:13)

(6)﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ ''اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا'' یہ وہ وقت ہوگا جب اعمال کی جزا دی جائے گی۔وہ ان کا اقرار کریں گے۔اپنے اعمال کی وجہ سے رسوا ہوں گے اور عذاب ان پر واجب ہوگا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ ''یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں۔'' (آل عمران:182)﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ ''یہ اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔'' (الانفال:51)

(7)﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک نیکی ہوئی تو اس کو دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔'' (النساء:40)

(8)﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے پھر کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے

دانے برابر بھی ہوگا تو ہم اُسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔'' (الانبیاء:47) (i) انسان کو دُنیا کی زندگی میں یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کی ہر بات اور ہر کام کا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے اور اسے اس کی جزا یا سزا ملنے والی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے انتظام کے مطابق انسان کی نیتیں، قول اور عمل سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے لیکن یہ سب کچھ دِکھائی نہیں دیتا۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعوری طور پر حشر کے میدان میں پہنچا کر دکھایا ہے کہ تمہارے نامہ اعمال سے چھوٹی، بڑی کوئی بات چھوٹی ہوئی نہیں حالانکہ تم سمجھتے تھے کہ کوئی میرے عمل کو دیکھنے والا نہیں۔ (iii) اللہ تعالیٰ انسان کو دِکھاتے ہیں کہ دیکھو تمہیں وہی بدلہ ملا ہے جس کے تم مستحق تھے نہ کم نہ زیادہ۔ یوں انسان اپنے اعمال کو حاضر دیکھتا ہے اور رب کو منصف دیکھتا ہے تو خود کو آزاد نہیں عاجز محسوس کرتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ میں مضبوط بندھا ہوا ہوں، بھاگنے کا راستہ نہیں۔ کوئی بہانہ نہیں چل رہا سخت پریشانی اور خوفزدگی میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا۔

(9) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان گناہوں سے بھی بچو جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ حقیر گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی وادی میں اترے ہوں پھر کوئی ایک لکڑی لائے کوئی دوسری لکڑی (اور ان حقیر لکڑیوں کو جمع کر کے) لوگ روٹی پکا لیں (مقصد یہ کہ حقیر اور چھوٹے گناہوں کا مجموعہ بڑا ہو جاتا ہے) حقیر گناہ (بھی) ہلاک کرنے والے کبائر (ہو جاتے) ہیں۔ (بغوی)

(10) سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ حنین سے فارغ ہوگئے (اور واپس ہوئے) تو ہم ایک ویران، بے آب و گیاہ مقام پر اترے جہاں کچھ بھی نہ تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو جو چیز بھی ملے وہ لے آئے یا جس کے پاس جو چیز بھی موجود ہو وہ لے آئے تھوڑی دیر ہی گزرنے پائی تھی کہ ہم نے (تھوڑا تھوڑا لاکر) ڈھیر کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم اس کو دیکھ رہے ہو اس طرح تم نے (تھوڑا تھوڑا) جمع کر کے یہ ڈھیر کر دیا۔ اسی طرح آدمی پر (چھوٹے چھوٹے) گناہوں کا اجتماع ہو جاتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے (اور سمجھ رکھے کہ) کہ ہر گناہ شمار کر کے اس کے ذمے قائم رکھا جاتا ہے۔ (طبرانی)

(11) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جن گناہوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا مطالبہ کرنے والا بھی (قیامت کے دن) ہوگا۔'' (ابن حبان)

(12) سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام اعمال نامے عرش کے نیچے جمع ہوتے ہیں۔ جب میدان قیامت ہوگا اور لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیج دے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ سب سے اول اعمال نامہ میں یہ آیت تحریر ہوگی۔ ﴿اقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ ابن جریر نے لکھا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا جو شخص دنیا میں پڑھا نہ ہوگا وہ بھی اس وقت نامہ اعمال پڑھ لے گا۔ (تفسیر مظہری:140)

(13) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ ہنسے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے ہنسا ہوں؟ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بندے کی اس بات سے ہنسا ہوں کہ جو وہ اپنے رب سے کرے گا۔ وہ بندہ عرض کرے گا: اے پروردگار! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر بندہ عرض کرے گا: میں اپنے اوپر اپنی ذات کے علاوہ کسی کی گواہی کو جائز نہیں سمجھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج کے دن تیرے اوپر تیری ہی ذات کی گواہی اور کراماً کاتبین کی گواہی کفایت کر جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اس بندے کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے دیگر اعضا کو کہا جائے گا کہ بولیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے اعضاء اس کے سارے اعمال بیان کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر بندہ اپنے اعضاء سے کہے گا: دور ہو جاؤ' چلو دور ہو جاؤ' میں تمہاری طرف سے ہی تو جھگڑا کر رہا تھا۔'' (صحیح مسلم:7439)

(14) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ (بعض اوقات) کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے کہ اس کا نقصان نہیں سمجھتا جبکہ اس کی وجہ سے وہ دوزخ میں اتنی دور جا گرتا ہے جتنا مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔ (صحیح مسلم:7481)

(15) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچراتا ہے اور اس کو حق ہے کہ وہ چرچرائے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں کہیں بھی چار انگل کی جگہ ایسی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ سجدہ میں پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے' اور میدانوں میں نکل کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے فریاد کرتے (یہ سن کر) سیدنا ابوذر کہتے ہیں کہ کاش میں ایک درخت ہوتا کہ لوگ اسے کاٹ ڈالتے۔'' (جامع ترمذی:2312)

(16) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی جب صبح کرتا ہے اس کے سب اعضاء زبان کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ سے ہمارے مقدمہ میں ڈر۔ اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی ہوئی تو ہم سب سیدھے ہوئے اور اگر تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم سب ٹیڑھے ہوئے۔'' (جامع ترمذی:2407)

(17) سیدنا سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے ایک ایسی بات فرمائیں کہ میں اس کو مضبوط پکڑوں آپ ﷺ نے فرمایا: تو کہہ میرا رب اللہ ہے پھر اس بات پر قائم رہ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھ سے کس چیز سے ڈرتے ہیں اور خوف کی کیا چیز ہے؟ سو آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا یہ۔'' (جامع ترمذی:2410)

(18) سیدنا عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو قیامت کے دن اپنے پروردگار سے کلام نہ کرے گا اور اس کے بیچ میں کوئی ترجمان نہ ہوگا پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا پس اسے کوئی چیز دکھائی نہ دے گی مگر وہ جو اس نے آگے بھیجی ہو یعنی عمل اپنے بائیں طرف دیکھے گا پس وہ کوئی چیز نہ دیکھے گا مگر وہ جو اس نے آگے بھیجی ہوگی پھر اپنے منہ کے سامنے دیکھے گا اس کو آگے دوزخ نظر آئے گی۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تم سے طاقت رکھے اور جس سے ہو سکے وہ اپنا منہ

دوزخ سے بچائے رکھے اگرچہ ایک کھجور کے ٹکڑے کے ذریعے کیوں نہ ہو" (جامع ترمذی:2415)

(19) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ابن آدم کے اس کے رب کے پاس سے دونوں قدم نہ ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزیں پوچھی جائیں: اول اس کی عمر کہ کس میں صرف کی، دوسرے اس کی جوانی کہ کس میں خرچ کی، تیسرے اس کا مال کہ کہاں سے کمایا اور چوتھے کس کام میں لگایا پانچویں اپنے علم میں سے کیا عمل کیا۔" (جامع ترمذی:2416)

(20) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلا مجھے خبر دو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ ہماری اصطلاح میں مفلس وہ ہے کہ جس کے پاس درہم و دینار اور ضروری سامان زندگی نہ ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے کہ قیامت کے دن آدمی روزہ، نماز اور زکوٰۃ لے کر اس صورت سے آئے گا کہ کسی کو برا کہا ہوگا اور کسی کو گالی دی ہو اور کسی کا مال کھا گیا اور کسی کا خون بہایا گیا ہو اور کسی کو مارا ہوگا پس اسے سب کے سامنے بٹھایا جائے گا اور بدلے میں اس کی نیکیاں مظلوموں کو دے دی جائیں گی، پھر اگر اس کے ظلموں کا بدلہ پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس پر رکھ دیے جائیں گے اور اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا" (جامع ترمذی:2418)

(21) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اہل حقوق کو ان کے حق پورے دیئے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔" (جامع ترمذی:2420)

(22) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن لوگوں کی تین طرح کی پیشیاں ہوں گی، دو بار کی پیشی میں بحث و تکرار اور عذر بہانے ہوں گے، اور تیسری بار ان لوگوں کے اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں اڑ رہے ہوں گے، تو کوئی اسے داہنے ہاتھ میں پکڑے گا اور کوئی بائیں ہاتھ میں۔" (جامع ترمذی:2425)

(23) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس سے حساب و کتاب میں سختی سے پوچھ تاچھ ہوگی وہ ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! بے شک اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ جس شخص کو نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد صرف اعمال کی پیشی ہے۔ (جامع ترمذی:2426)

(24) سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک بندہ کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور باری تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے کان اور آنکھ اور مال اور اولاد نہیں نوازا تھا اور چار پایوں اور کھیتی کو تیرے تابع کر دیا اور تجھے قوم کا سردار بنا دیا تھا جن سے بھرپور خدمت لیا کرتا تھا، پھر کیا تجھے یہ خیال بھی تھا کہ تو آج کے دن مجھ سے ملاقات کرے گا؟ اور وہ آج کا دن ہے پھر وہ عرض کرے گا نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج میں بھی تجھے بھول جاتا ہوں جیسے تو مجھے دنیا میں بھول گیا تھا۔" (جامع ترمذی:2428)

(25) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے اپنے غلام کو ایک کوڑا بھی ناجائز مارا تو اس سے قیامت کے

روز بدلہ لیا جائے گا۔(طبرانی)

(26) سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''ہم آخری امت ہیں لیکن ہمارا حساب سب سے پہلے ہوگا، پکارا جائے گا'' امی نبی کی امت اور خود ان کا نبی کہاں ہیں؟ پس ہم سب سے آخر میں آنے والے اور سب سے پہلے حساب کیے جانے والے ہیں۔(ابن ماجہ)

(27) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے اگر نماز (سنت کے مطابق) درست ہوئی تو بندہ کامیاب وکامران ہوگا اور اگر نماز خراب ہوئی (یعنی سنت کے مطابق نہ پائی گئی) تو ناکام ونامراد ہوگا۔ اگر بندہ کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو رب تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندے کے نامہ اعمال میں دیکھو کوئی نفل عبادت ہے؟ (اگر ہوئی) تو نوافل کے ساتھ فرائض کی کمی پوری کی جائے گی پھر اس کے تمام اعمال کا حساب اسی طرح ہوگا۔'' (ترمذی)

(28) سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مار لیا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہنم واجب کردی اور جنت حرام کردی۔'' ایک آدمی نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! خواہ وہ معمولی سی چیز ہو؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''خواہ پیلو کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔'' (مسلم)

(29) سیدنا صفوان بن سلیم بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیٹوں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''آگاہ رہو جس نے کسی ذمی پر ظلم کیا یا اسے کوئی نقصان پہنچایا یا اس کی طاقت سے زیادہ اسے تکلیف دی یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز زبردستی لی تو قیامت کے روز میں اس ذمی کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔'' (ابوداؤد)

(30) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھے آگ یاد آئی تو میں رونے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیوں رو رہی ہو؟'' میں نے عرض کیا: مجھے آگ یاد آئی تو میں رونے لگی کیا قیامت کے روز اپنے اہل وعیال کو بھی یاد رکھیں گے (یا نہیں؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تین جگہیں تو ایسی (مشکل) ہیں جہاں کوئی کسی دوسرے کو یاد نہیں رکھے گا۔ (i) میزان کے پاس حتیٰ کہ آدمی کو پتہ چل جائے کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا رہا یا بوجھل۔ (ii) نامہ اعمال وصول ہونے کی جگہ پر حتیٰ کہ آدمی کو معلوم ہو جائے کہ آدمی کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملتا ہے یا بائیں میں یا پیٹھ پیچھے۔ (iii) صراط کے پاس جب وہ جہنم کے اوپر رکھا جائے گا حتیٰ کہ آدمی اس کو عبور کرلے۔'' (ابوداؤد)

(31) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جس چیز کا فیصلہ لوگوں کے درمیان ہوگا وہ ناحق خون کے بدلہ کا ہوگا۔'' (صحیح بخاری:6533)

(32) سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی: ابو مسعود! جان لے کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر تیری اس قدرت سے زیادہ قادر ہے۔ میں متوجہ ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ اللہ تعالیٰ

کی رضا کے لیے آزاد ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو ایسا نہ کرتا تو جہنم کی آگ تجھے جلا دیتی یا تجھے چھو لیتی۔'' (صحیح مسلم:4308)

رکوع نمبر 7

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ظالموں کے لیے بہت برا بدلہ ہے۔'' (50)

سوال1:﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو'' اللہ رب العزت نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ساتھ ابلیس کی دشمنی کا ذکر فرمایا ہے۔یہ پرانی دشمنی ہے اس لیے ابلیس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

(2)﴿فَسَجَدُوْٓا﴾ ''تو انہوں نے سجدہ کیا'' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو انہوں نے سجدہ کیا۔

(3)﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ ''مگر ابلیس نے نہ کیا'' ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اور کہنے لگے ﴿ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾ ''کہ میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا؟'' (بنی اسرائیل:61) اس نے کہا:﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ ''میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔'' (اعراف:12)

سوال2:﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ ''وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ ''وہ جنوں میں سے تھا'' ابلیس جن ہے، خباثت اس کی گھٹی میں تھی کیونکہ جن شعلوں سے پیدا کیے گئے۔

(2)﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ ''چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی'' وہ اپنے رب کے حکم سے نکل گیا۔

(3) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم میں اس نے نافرمانی کی۔ (جامع البیان:261/15)

سوال3: شیطان فرشتہ نہیں تھا اس کا کیا ثبوت ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ وہ جن تھا۔(2) شیطان اگر فرشتہ ہوتا تو اللہ کے حکم سے سرتابی نہ کرتا کیونکہ فرشتوں کی یہ صفت

ہے"وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔" (التحریم:6)

سوال 4: گناہ کی ابتداء کیسے ہوئی؟

جواب: (1) شیطان سے گناہ کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ابتداء ہوئی اور شیطان سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔﴿اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ ۠ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ "مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہوگیا" (البقرہ:34) کفر وفسق اور حکم عدولی شیطان سے شروع ہوئی اور گناہ کرنا اور سرکشی کرنا شیطان کا طریقہ ہے۔

(2) اب جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ شیطان کے تابع ہیں کیونکہ شیطان خود گناہ گار ہے۔ وہ انسان کو بھی اپنے جیسا بنانے کے لئے گناہ کی تلقین کرتا رہتا ہے۔﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ "وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہو جو تم نہیں جانتے۔ (البقرۃ:169)

(3) شیطان نے کئی گناہ کیے اور توبہ نہیں کی۔ اول: آدم کو حقیر جانا، دوسرا: استکبار اور عجب کیا کہ اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ سے بہتر جانا اور خود کو کامل جان کر خود پسندی کی۔ تیسرا: حکم الٰہی "اسجدوا" کی تعمیل سے انکار کیا۔﴿وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ "اور جو لوگ توبہ نہ کریں سو وہی ظالم ہیں" (الحجرات:11)﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ "اے مومنو! تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔" (النور:31)

(4) گناہ کا انجام: شیطان پر ازلی لعنت ڈالی گئی۔ شیطان نے جب سجدہ نہ کیا﴿قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا؟" (الحجر:32) اس نے جواب دیا﴿قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ اس نے کہا: "میں ایسا نہیں ہوں کہ اس انسان کو سجدہ کروں جس کو تو نے بدبودار کیچڑ سے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔" (الحجر:33) رب العزت نے فرمایا:﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "پھر یہاں سے نکل جا بلاشبہ تو مردود ہے۔ اور بے شک جزا کے دن تک تجھ پر خاص لعنت ہے۔" (الحجر:34,35)

سوال 5:﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ "تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے بہت برا بدلہ ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾ "تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں" یعنی آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ ابلیس آدم علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کے بچوں کا دشمن ہے پھر یہ بتاؤ کیسے آپ اس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو؟

(2)﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ ''ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلہ ہے'' اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بجائے شیطان کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی دوستی کی بجائے شیطان کی دوستی بُرا بدل ہے جو ظالموں نے خود اختیار کیا۔

(3) یعنی کتنی بری ہے شیطان کی دوستی اور سرپرستی جو انہوں نے اپنے لئے چنی ہے، جو انہیں صرف فحش اور برے کاموں کا حکم دیتا ہے اور رب رحمن کی دوستی اور سرپرستی چھوڑ دی جس کی دوستی میں ہر قسم کی سعادت، فلاح اور سرور ہے۔ (تفسیر سعدی:1528/2)

(4) یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجائے شیطان کی عبادت، اللہ تعالیٰ کی ولایت کی بجائے شیطان کی ولایت، یہ کتنا برا بدل ہے۔ (تفسیر سمرقندی:369/2)

سوال 6: ابلیس کی ذُرّیت میں کون لوگ شامل ہیں؟

جواب: جو لوگ اپنی ذات کی بڑائی کی وجہ سے حق کے سامنے جھکنے سے انکار کریں وہ سب ابلیس کی ذُرّیت ہیں چاہے وہ بظاہر عبادت گزار ہوں۔

سوال 7: انسان اللہ تعالیٰ کے آگے کیسے جھک سکتا ہے؟

جواب: (1) انسان جب رب کو بڑا سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو عاجز سمجھتا ہے تو حق جہاں سے بھی ملے گا فوراً اس کے آگے جھک جاتا ہے۔

(2) انسان کو اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اپنی بے اختیاری کا احساس اللہ تعالیٰ کے آگے جھکاتا ہے۔

سوال 8: انا پرست انسان کبھی عبادت گزار بن جاتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جانے سے انکار کر دیتا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جواب: انا پرست انسان ایسے موقع پر اللہ کے آگے جھک جاتا ہے جہاں اس کی انا کو ٹھیس نہ لگتی ہو اور وہاں سرکش ہو جاتا جہاں انا کو جھکانا پڑتا ہے۔

سوال 9: انسان ابلیس کو اور اس کی اولاد کو، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوست کیسے بناتا ہے؟

جواب: انسان ابلیس اور اس کی ذُرّیت سے ڈرتے ہوئے ان کے زیرِ اثر آ کر انہیں اللہ تعالیٰ کا بدل بنا لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اس کے آگے نہیں جھکتا۔ ایسے لوگوں کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے جن پر بھروسہ کیا تھا وہ کام آنے والے نہیں ہیں۔

﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا﴾

''میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے وقت حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والا نہیں ہوں'' (51)

سوال 1: ﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا﴾

’’میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے وقت حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والا نہیں ہوں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿مَاۤ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ﴾ ’’میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے وقت حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت‘‘ رب العزت نے فرمایا کہ میں نے زمین و آسمان کی پیدائش پر شیاطین کو نہ حاضر کیا اور نہ ان سے مشورہ لیا اور نہ ان کی اپنی پیدائش پر۔ وہ تو تم جیسے میرے غلام ہیں جو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے پھر وہ کسی چیز کے خالق کیسے کہلا سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ وہی ہر چیز کے لیے تدبیر کرتا ہے اور ان میں اپنی حکمت سے تصرف کرتا ہے۔ وہ تخلیق میں بھی یکتا ہے، تدبیر میں بھی اور تقدیر میں بھی۔ پھر کیسے شیاطین کو والی اور مددگار بنایا جاتا ہے؟ کیسے ان کی اس طرح اطاعت کی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے حالانکہ نہ وہ خالق ہیں اور نہ تخلیق کے موقع پر حاضر تھے، نہ معاون اور مددگار تھے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمۡلِكُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَمَا لَهُمۡ فِیۡهِمَا مِنۡ شِرۡكٍ وَّمَا لَهٗ مِنۡهُمۡ مِّنۡ ظَهِیۡرٍ (۲۲) وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَهُوَ الۡعَلِیُّ الۡكَبِیۡرُ (۲۳)﴾ ’’آپ کہہ دیں پکارو اللہ تعالیٰ کے سوا جن کے بارے میں تم نے گمان کیا ہے، وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کی ملکیت نہیں رکھتے اور نہ ہی اُن کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ہی اُن میں سے کوئی اُس کا مددگار رہے۔ اور اُس کے پاس کوئی شفاعت کام نہیں آئے گی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے حتیٰ کہ جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہیں گے ’’حق‘‘ اور وہ سب سے بلند، بہت بڑا ہے۔‘‘ (سبا:22,23)

(2)﴿وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّیۡنَ عَضُدًا﴾ ’’اور میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والا نہیں ہوں‘‘ رب العزت نے فرمایا: میں گمراہوں کو معاون اور مددگار بنانے والا نہیں ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کائنات کی تدبیر کا کچھ حصہ ان کے حوالے کر دے۔ وہ تو رب سے دشمنی کرتے ہیں اور مخلوق کو دشمنی پر ابھارتے ہیں اس لیے وہ اس لائق نہیں کہ قریب آنے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی اعانت کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ سمجھانے کے لیے کہ شیاطین کے پاس کوئی قوت اور زور نہیں اس لیے اُن کے ڈر سے ان کی عبادت، اطاعت کیوں ہو، یہ سمجھایا ہے کہ وہ مخلوق ہیں اور میں نے تخلیق میں اُن سے کوئی مدد نہیں لی، نہ آسمان و زمین کی نہ ان کی اپنی، پھر تم ان کی ذریت کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

﴿وَیَوۡمَ یَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَكَآءِیَ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَهُمۡ

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا﴾

’’جس دن وہ (اللہ) کہے گا کہ میرے اُن شریکوں کو پکارو جن کے بارے میں تم نے دعویٰ کر رکھا تھا، چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے‘‘ (52)

سوال:﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا﴾ ’’جس دن وہ (اللہ) کہے گا کہ میرے اُن شریکوں کو پکارو جن کے بارے میں تم نے دعویٰ کر رکھا تھا، چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ رب العزت نے ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جنہوں نے دنیا میں شرک کیا اور اس کا باطل ہونا اور مشرکوں کی جہالت کو واضح کیا تو قیامت کے دن کے حالات بھی واضح فرمائے۔

(2)﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ﴾ ’’جس دن وہ (اللہ) کہے گا‘‘ قیامت کے دن رب العزت مشرکوں کی تذلیل کے لیے فرمائیں گے۔

(3)﴿نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ ’’کہ میرے اُن شریکوں کو پکارو جن کے بارے میں تم نے دعویٰ کر رکھا تھا‘‘ تم نے دنیا میں جن کو معبود بنا رکھا تھا انہیں پکارو تا کہ تمہیں ان عذابوں سے نجات دلائیں۔

(4)﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ ’’چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے‘‘ وہ انہیں پکاریں گے لیکن کوئی جواب نہیں آئے گا اس لیے کہ فیصلے کا اختیار اس دن اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا اور اس دنیا میں اور آخرت میں کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوگا کہ وہ خود اپنے آپ کو یا کسی اور کو نفع پہنچا سکے۔﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ ’’اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُنہیں پکارتا ہے؟ جو قیامت کے دن تک اُسے کوئی جواب نہیں دے سکتے حالانکہ وہ اُن کی دُعا ہی سے غافل ہیں۔‘‘ (الاحقاف:5)

(5)﴿وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ﴾ ’’اور کہا جائے گا: ’’اپنے شریکوں کو بلاؤ‘‘ سو وہ انہیں پکاریں گے تو وہ اُنہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور وہ عذاب دیکھ لیں گے۔ کاش کہ واقعتاً وہ ہدایت پا جاتے!‘‘ (القصص:64)

(6)﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾

’’اور بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً اکیلے آ گئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو بھی ہم نے تمہیں دیا تھا تم اپنی پشتوں کے پیچھے

چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ یقیناً وہ تمہارا کام بنانے میں حصہ دار ہیں بلاشبہ تمہارا رشتہ یقیناً ٹوٹ گیا اور تم سے وہ سب گم ہو گئے جن کو تم گمان کیا کرتے تھے''۔ (الانعام:94)

(7)﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے، پھر تم کدھر کو بہکائے جاتے ہو؟'' (الانعام:95)

(8)﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا (۸۱) كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (۸۲)﴾ ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں تاکہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں! جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کردیں گے اور اِن کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے۔'' (مریم:81,82)

(9)﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا﴾ ''اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ بنادیں گے'' یعنی مشرکوں اور ان کے شریکوں کے درمیان ہلاکت کا گہرا گڑھا حائل کردیں گے جو انہیں ایک دوسرے سے دور کردے گا۔ اس وقت ان کی دشمنی ظاہر ہو جائے گی۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ ''اور جب تمام انسان جمع کردیے جائیں گے تو وہ اُن کے دُشمن ہو جائیں گے اور اُن کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے۔'' (الاحقاف:6)

﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾

''اور مجرم آگ دیکھیں گے، چنانچہ وہ یقین کرجائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی پھرنے کی جگہ نہ پائیں گے'' (53)

سوال1:﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ ''اور مجرم آگ دیکھیں گے، چنانچہ وہ یقین کرجائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی پھرنے کی جگہ نہ پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ﴾ ''اور مجرم آگ دیکھیں گے'' جب حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور ساری مخلوق اپنے اعمال کے اعتبار سے الگ ہو جائے گی۔

(2) جہنم میں ستر ہزار لگامیں ڈالی جائیں گی، ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے لگ کر اسے گھسیٹ کر میدان حشر میں لائیں گے۔

(3)﴿فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا﴾ ''چنانچہ وہ یقین کرجائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں'' مجرم اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلیں گے تو لامحالہ انہیں اس میں جانے کا یقین ہو جائے گا۔ عذاب سے قبل رنج وغم کا پیدا ہونا بھی ایک عذاب ہے۔ (مختصر ابن کثیر:1102/1)

(3)﴿وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ ''اور وہ اس سے کوئی پھرنے کی جگہ نہ پائیں گے''، جہنم سے بچنے کا وہ کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔

(4) پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (15) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (16)﴾ ''ہرگز نہیں! یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم پیشانی کے بالوں سے لازماً کھینچیں گے۔ جو جھوٹی، خطا کار پیشانی ہے۔ (العلق:15,16)

(5) کافروں کو جہنم میں ڈال کر اس کے دروازے سختی سے بند کر دیے جائیں گے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (19) عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ (20)﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہی بائیں بازو والے ہیں۔ اُن پر بند کی ہوئی آگ ہوگی۔ (البلد:19,20) ﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ (5) نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ (6) الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ (7) اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ (8) فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (9)﴾ ''اور کس چیز نے تمہیں خبر دی کہ حطمہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ وہ جو دِلوں تک جھانکتی ہے۔ یقیناً وہ اُن پر بند کر دی جائے گی۔ اونچے اونچے ستونوں میں۔ (الھمزہ:5,9)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کیا تم جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کی طرح سمجھتے ہو؟ ہرگز نہیں جہنم کی آگ تو تار کول سے زیادہ سیاہ ہے۔ (کتاب الجامع) ﴿اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ﴾

رکوع نمبر 8

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾

''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں یقیناً لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں مگر انسان ہمیشہ سے سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے'' (54)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں یقیناً لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں یقیناً لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں'' اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی عظمت سے آگاہ فرمایا ہے کہ اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں۔ ہر طرح کی باتوں کو تفصیل سے کھول دیا ہے تاکہ لوگ ہدایت پر رہیں گمراہ نہ ہوں۔

(2) اللہ تعالیٰ نے ہر وہ راستہ واضح فرما دیا ہے جو علم نافع اور عمل صالح اور پھر اس کے نتیجے میں ابدی سعادت تک پہنچاتا ہے۔

(3) رب العزت نے ہر راستہ واضح فرمایا ہے جو انسان کو شر اور ہلاکت سے بچاتا ہے۔

(4) اس قرآن میں سچی خبریں ہیں جو دلوں کے لئے نفع مند ہیں۔ اس میں جزائے اعمال کی مثالیں ہیں۔ اس میں حلال و حرام کو واضح

فرمایا ہے تاکہ لوگ قرآن کریم کی اطاعت کریں۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیسے طرح طرح کی مثالوں سے سمجھایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھانے کے لیے دلائل دیئے، نصیحت کی مثالیں بیان کیں، واقعات بیان کیے۔

سوال 3: ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ ''مگر انسان ہمیشہ سے سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ ''مگر انسان ہمیشہ سے سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے'' انسان کو چونکہ اس دُنیا میں اختیار ملا ہوا ہے اس لیے انسان حق کا انکار کرنے کے لیے الفاظ پالیتا ہے اور یوں انسان کھلی ہوئی حقیقت کا انکار کرنے کے لیے بے معنی بحثیں کرتا ہے۔ (2) انسان بہت زیادہ بحثیں اور جھگڑے کرنے والا ہے۔

(3) اس کے ایمان لانے کا سبب یہ نہیں ہے کہ حق اس پر واضح نہیں ہے بلکہ ظلم اور دشمنی کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتا جیسے نبی ﷺ کے بارے میں اور پہلے انبیاء کے بارے میں لوگوں نے کہا: ﴿يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ ''جو چاہتا ہے کہ تمہارے اوپر برتری حاصل کرلے'' (المؤمنون:24)

(4) ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ (۱۴) لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (۱۵)﴾ ''اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پس وہ اس میں چڑھنے والے ہو جائیں۔ تو بھی وہ کہیں گے بلاشبہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا گیا ہے۔'' (الحجر:14,15)

(5) سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن طالب نے انہیں خبر دی کہ رسول ﷺ ایک رات ان کے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ تہجد کی نماز نہیں پڑھو گے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہماری روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جب وہ چاہے گا ہمیں اٹھا دے گا۔ ہماری اس عرض پر رسول ﷺ واپس چلے گئے۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن واپس جاتے ہوئے میں نے سنا کہ آپ ﷺ ران پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے (سورہ کہف کی یہ آیت پڑھ رہے تھے) آدمی سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ (صحیح بخاری:1127)

(6) گویا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قصور کا اعتراف کرنے کی بجائے مشیت الٰہی کا عذر پیش کر دیا اور اس اختیار کی طرف توجہ نہ کی جو انہیں اور ہر انسان کو عطا کیا گیا ہے۔ (تیسیر القرآن:642/2)

سوال 4: انسان پر نصیحت اور دلائل کیوں کارگر نہیں ہوتے؟

جواب: انسان بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے اس لیے نصیحت اور دلائل اس پر کارگر نہیں ہوتے۔

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰى وَيَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ اَوۡ يَاۡتِيَهُمُ الۡعَذَابُ قُبُلًا﴾

''اورلوگوں کومنع نہیں کیا کہ وہ ایمان لائیں جب ہدایت ان کے پاس آچکی اور وہ اپنے رب سے بخشش مانگیں، مگراس بات نے کہ اُن کے پاس پہلے لوگوں کا طریقہ آئے یا عذاب ان کے سامنے آجائے'' (55)

سوال1:﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰى وَيَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ اَوۡ يَاۡتِيَهُمُ الۡعَذَابُ قُبُلًا﴾ ''اورلوگوں کومنع نہیں کیا کہ وہ ایمان لائیں جب ہدایت ان کے پاس آچکی اور وہ اپنے رب سے بخشش مانگیں، مگراس بات نے کہ اُن کے پاس پہلے لوگوں کا طریقہ آئے یا عذاب ان کے سامنے آجائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰى﴾ ''اورلوگوں کومنع نہیں کیا کہ وہ ایمان لائیں جب ہدایت ان کے پاس آچکی'' یعنی لوگوں کوایمان لانے سے کس چیز نے روکا ہے جبکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت پہنچ چکی ہے اوران پر حجت قائم ہوچکی ہے۔(2) وہ مضبوط دلائل کے باوجود حق کوجھٹلا رہے ہیں۔

(3) ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حق ان پر واضح نہیں ہوا بلکہ ظلم اور زیادتی کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

(4) ان کا ظلم یہ تھا کہ وہ عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے تھے انہوں نے کہا تھا۔﴿فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ﴾ ''سو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرادو، اگر تم سچے لوگوں میں سے ہو'' (الشعراء:187)

(5)﴿اَئِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَتَقۡطَعُوۡنَ السَّبِيۡلَ ۙ وَتَاۡتُوۡنَ فِىۡ نَادِيۡكُمُ الۡمُنۡكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ﴾ ''یقیناً کیاتم واقعی مردوں کے پاس آتے ہواورتم راستے کاٹتے ہواوراپنی مجلسوں میں بُرا کام کرتے ہو؟'' تو اُس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا:''اگرتم واقعی سچوں میں سے ہوتو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ'' (العنکبوت:29)

(6)﴿وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ؕ﴿۶﴾ لَوۡ مَا تَاۡتِيۡنَا بِالۡمَلٰٓئِكَةِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۷﴾﴾
''اورانہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے بلاشبہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔ کیوں نہیں تو ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتا اگرتو سچے لوگوں میں سے ہے''۔(الحجر:6,7)

(7)﴿وَاِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَـقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ﴾
''اور جب اُنہوں نے کہا:''اے اللہ! اگر یہ واقعی تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسایا کوئی دردناک عذاب

ہم پر لے آ۔'' (الانفال:32)

(8)﴿وَيَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّهُمۡ﴾ ''اور وہ اپنے رب سے بخشش مانگیں'' انہیں چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ایمان لاتے اور اپنے رب سے بخشش مانگیں۔

(9)﴿اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ﴾ ''مگر اس بات نے کہ اُن کے پاس پہلے لوگوں کا طریقہ آئے'' اس کے علاوہ کیا چیز باقی رہ گئی ہے کہ سنت الٰہی کے مطابق ان پر عذاب آجائے جیسے پہلی قوموں پر آئے تھے۔

(10)﴿اَوۡ يَاۡتِيَهُمُ الۡعَذَابُ قُبُلًا﴾ ''یا عذاب ان کے سامنے آجائے'' اور جب وہ ایمان نہ لاتے تو ان پر عذاب بھیج دیا جاتا یا عذاب ان کے سامنے آجاتا اور وہ آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیتے لہٰذا انہیں توبہ کرنی چاہیے اس سے پہلے کہ ان پر عذاب ٹوٹ پڑے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آنے کے بعد انسان کی کیا ذمہ داری ہے؟

جواب: ہدایت آنے کے بعد انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے اور اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگیں۔

﴿وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ‌ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِيُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَـقَّ‌ وَاتَّخَذُوۡۤا اٰيٰتِىۡ وَمَاۤ اُنۡذِرُوۡا هُزُوًا﴾

''اور رسولوں کو ہم خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہی بنا کر بھیجتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے سے حق کو نیچا دکھادیں، اور اُنہوں نے میری آیات کو اور جن سے انہیں تنبیہ کی گئی، اُسے مذاق بنالیا ہے'' (56)

سوال 1: ﴿وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ﴾ ''اور رسولوں کو ہم خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہی بنا کر بھیجتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ﴾ ''اور رسولوں کو ہم بھیجتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب سے پہلے انبیاء آتے ہیں۔

(2)﴿اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ﴾ ''خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہی بنا کر'' رسولوں کا فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بُرے انجام سے خبردار کردیں اور اچھے انجام پر خوش خبری دیں۔ رسولوں کی ڈیوٹی میں معجزات پیش کرنا اور انسانوں کو ہلاک کرنا شامل نہیں۔

(3) یعنی ہم رسولوں کو عبث اور بے فائدہ نہیں بھیجتے نہ ان کو اس لئے مبعوث کرتے ہیں کہ لوگ ان کو معبود بنالیں اور نہ اس لئے کہ وہ خود معبود ہونے کا دعویٰ کریں بلکہ ہم نے انہیں صرف اس لئے مبعوث کیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو ہر بھلائی کی طرف بلائیں اور ہر برائی سے روکیں، اطاعت کرنے پر ان کو دنیاوی اور اخروی ثواب کی خوشخبری سنائیں اور نافرمانی کرنے پر دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈرائیں۔ پس رسولوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر حجت قائم ہوگئی۔ (تفسیر سعدی: 1531/2)

سوال 2: ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِيُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَـقَّ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، وہ باطل کے ساتھ

جھگڑا کرتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے سے حق کو نیچا دکھا دیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ ”اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں“ کافر باطل ہتھکنڈوں کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔

(2)﴿لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ ”تا کہ اس کے ذریعے سے حق کو نیچا دکھا دیں“ کافروں کا مقصد کتنا گھٹیا ہے۔ وہ حق کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ کافر ہر دور میں حق کو نیچا دکھانے کے لئے باطل کی مدد کرتے رہے ہیں۔

سوال3:﴿وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا﴾ ”اور اُنہوں نے میری آیات کو اور جن سے انہیں تنبیہ کی گئی، اُسے مذاق بنالیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا﴾ ”اور اُنہوں نے میری آیات کو اور جن سے انہیں تنبیہ کی گئی، اُسے مذاق بنالیا ہے“ اس مقصد کے لئے انہوں نے رسولوں کا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا۔ ان کے پاس جو علم تھا اسی پر وہ اتراہٹ میں مبتلا رہے۔

(2) یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی رحمت ہے کہ اس کا باطل ہتھکنڈوں کے ذریعے سے حق کے خلاف جھگڑنے والے باطل پسندوں کو مقرر کرنا، حق کے ظہور اور اس کے شواہد و دلائل کی توضیح، باطل اور اس کے فساد کے ظاہر ہونے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کیونکہ:﴿بضدها تتبين الاشياء﴾ ”اشیاء اپنی ضد ہی سے واضح ہوتی ہیں۔“ (تفسیر سعدی:1531/2)

(3) زہری نے بیان کیا کہ ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق ایک رات کو نبی ﷺ کی تلاوت کلام سننے کے لیے نکلے۔ اس وقت آپ نماز ادا فرما رہے تھے۔ لہٰذا یہ سب لوگ باہر بیٹھ کر آیات قرآنی سننے لگے اور طلوع سحر تک سنتے رہے۔ یہ واقعہ تین روز تک متواتر ہوا۔ اس کے بعد ایک دن اخنس بن شریق ابوسفیان کے گھر آئے اور ان سے پوچھا کہ اب تک جو کلام انھوں نے سنا اس کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا میں تو کچھ سمجھ نہیں سکا کہ اس کلام سے مراد کیا ہے؟ یہ سن کر اخنس نے کہا: اسے تو یہ کلام بے مثل لگتا ہے۔ پھر یہ دونوں ابوجہل کے گھر گئے اور اس سے بھی یہی بات دریافت کی کہ اسے آپ کا کلام کیسا لگا؟ اس نے جواب دیا جو آپ نے سنا اس بارے میں تو بنی عبد مناف اور دوسرے اہل قریش کے درمیان اختلاف ہے۔ اگر بنی عبد مناف اس لئے اپنی امتیازی حیثیت کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حجاج کو کھانا کھلاتے ہیں تو ہم بھی ایسا کرتے ہیں اگر وہ ان کا سامان اٹھاتے ہیں اور سواریوں پر ان کا بار کرتے ہیں تو ہم بھی ایسا کرتے ہیں۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ان میں ایک نبی پیدا ہوا ہے ہم نہ اس کی بات سنیں گے نہ ان کی تصدیق کریں گے۔“ یہ سن کر اخنس بن شریق اور ابوسفیان ابوجہل کے گھر سے چلے گئے۔

(4) مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بعثت کے بعد پہلی بار دیکھا تو اس وقت آپ ﷺ مکے کے ایک راستے سے گزر رہے تھے، میرے ساتھ اس وقت ابوجہل بن ہشام بھی تھا۔ آپ ﷺ نے ابوجہل کو دیکھ کر فرمایا: اے ابوالحکم! اللہ اور اس کے رسول

کی طرف آجاؤ، میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں'' یہ سن کر ابو جہل بولا ''اے محمد! تم وہی تو ہو جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو، کیا تم چاہتے ہو کہ جو تم کہتے ہو وہ میں مان لوں، یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تم ہم لوگوں سے کیا کہتے ہو لیکن جو تم کہتے ہو اسے ماننے اور اس کی تصدیق کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں'' اس کے بعد ابو جہل مذکورہ بالا راوی کے پاس آیا اور اس سے کہا ''بنی قصی اپنی جن جن صفات کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں تو میں جانتا ہوں لیکن وہ صفات ہم میں بھی ہیں لیکن اب ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ان میں خدا کی طرف سے ایک نبی آگیا ہے تو میں یہ ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں نہ ان کے اس دعوے کی تصدیق کر سکتا ہوں۔ (البدایہ ونہایا، جلد 3، ص، 124,125)

(5) بیہقی کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ مکے میں اس طرف سے گزرے جہاں ابو جہل اور ابو سفیان بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر ابو جہل ابو سفیان سے بولا ''اے عبدالشمس کے قبیلے والے! کیا یہی تمہارا نبی ہے؟ ابو جہل سے یہ سن کر ابو سفیان نے پوچھا: تمہیں ہم میں سے کسی کے نبی ہونے پر تعجب کیوں ہے؟ کیا تمہارے خیال میں نبی ان لوگوں میں سے ہو سکتا تھا جو ہم سے کمتر ہیں؟ ابو جہل نے جواب دیا'' مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ آیا ہمارے بزرگوں میں سے ایک لڑکا نبی ہو سکتا ہے؟ ان دونوں کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے قریب آ کر ابو سفیان سے فرمایا: اے ابو سفیان تم خدا اور اس کے رسول سے ڈرو یا نہ ڈرو لیکن تمہاری غیرت وحمیت کو کیا ہوا ہے؟ پھر آپ نے ابو جہل سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے ابوالحکم! تمہیں مضحکہ خیزی سے زیادہ رونا پڑے گا'' آپ ﷺ سے یہ سن کر ابو جہل بولا ''اے میرے بھائی کے بیٹے! تم تو اپنی نبوت سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہو۔'' (البدایہ ونہایا، جلد 3، ص، 124,125)

(6) بدترین تکذیب وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اُڑایا جائے۔

سوال 4: باطل کے ذریعے جدال کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ باطل طریقے اختیار کر کے حق کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔

سوال 5: باطل کے ذریعے جدال کی کوئی مثال دیں؟

جواب: باطل کے ذریعے جدال کی صورت یہ ہے کہ کافر رسولوں کو یہ کہہ کر ان کی رسالت کا انکار کر دیتے تھے کہ تم ہمارے جیسے انسان ہو۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾

''اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے اُن سے منہ موڑ لیا اور وہ بھول گیا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا۔ یقیناً ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو سمجھیں اور اُن کے کانوں میں بوجھ رکھ دیا ہے اور اگر آپ اُنہیں ہدایت کی طرف بلائیں تب وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے'' (57)

سوال1:﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾''اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے اُن سے منہ موڑ لیا اور وہ بھول گیا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾''اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے اُن سے منہ موڑ لیا'' اس بندے سے بڑھ کر بد بخت اور ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت کی جائے، اس کے سامنے ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا جائے برے انجام سے ڈرایا جائے اور آخرت کے ثواب کی ترغیب دلائی جائے اور وہ ان سے منہ موڑ لے، ان کی طرف کان ہی نہ لگائے اور ان سے نصیحت حاصل نہ کرے؟

(2)﴿وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾''اور وہ بھول گیا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا'' اور ماضی میں جو برے کام کر چکا اس کمائی سے وہ انجان ہی بنا رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر نگران نہ سمجھے۔

سوال2:﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾''یقیناً ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو سمجھیں اور اُن کے کانوں میں بوجھ رکھ دیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾''ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں'' ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں پھر انہیں قرآن کا سمجھنا نصیب ہی نہیں ہوتا۔

(2)﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾''اور اُن کے کانوں میں بوجھ رکھ دیا ہے'' اس کے کانوں میں ڈاٹ ڈال دی جاتی ہے۔ اب انہیں کچھ سمجھا لو وہ سن نہیں سکتے ہدایت پر لانا چاہو تو بدکتے ہی رہتے ہیں۔ (3) ایسا شخص اس سے بڑا گناہ گار ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی آیات نہیں پہنچیں۔

(4) ایسے شخص کی سزا کے اسباب یہ ہیں: (i) اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض۔ (ii) اپنے گناہوں کو بھول جانا۔ (iii) اور شر کی حالت پر راضی رہنا۔

(5) سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ اس پر ہدایت کا راستہ بند کر دیتے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنے تو سمجھ نہیں سکتا۔ قرآن اس کے دل کی گہرائی میں نہیں اترتا۔ رب العزت نے فرمایا:﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾''ہرگز نہیں! بلکہ اُن کے دلوں پر اُن اعمال نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کماتے تھے۔ (المطففین:14)﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾''اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔'' (البقرہ:7)

سوال3: لوگوں کے دلوں پر پردے اور کانوں پر بوجھ کیوں ڈال دیا جاتا ہے؟

جواب: دلوں کا پردہ آیات کے انکار، نصیحت سے اعراض اور بُرے انجام کو بھول جانے کی وجہ سے ڈالا جاتا ہے۔

سوال4:﴿وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾ ''اور اگر آپ اُنہیں ہدایت کی طرف بلائیں تب وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى﴾ ''اور اگر آپ اُنہیں ہدایت کی طرف بلائیں'' ایسے شخص کو اگر کوئی حق کی دعوت دے تو وہ کبھی قبول نہیں کرتا کیونکہ دعوت پر وہی لبیک کہتا ہے جو علم رکھتا ہے۔

(2)﴿فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾ ''تب وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے'' جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی خوب دیکھ بھال کرتے ہیں پھر پہچاننے کے بعد گمراہی کے راستے پر چل پڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں پر تالے لگا دیتا ہے۔ان لوگوں کی ہدایت کا کوئی راستہ نہیں رہ جاتا۔

(3)اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے تخویف وترہیب ہے جو حق کو پہچان لینے کے بعد اسے ترک کردے اور یہ کہ اس کے اور حق کے درمیان رکاوٹ کھڑی کردی جائے اور اس کے بعد اس کے لئے کوئی چیز ایسی نہ رہے جو اس کے حق میں اس سے بڑھ کر ڈرانے والی اور اس غلط روی سے اسے روکنے والی ہو۔(تفسیر سعدی:2/1533,1532)

سوال5:انسان بڑا ظلم کیسے کرتا ہے؟

جواب:(1)انسان رب کی آیات کا انکار کرتا ہے۔(2)انسان نصیحت سے منہ پھیر جاتا ہے۔(3)انسان بُرے انجام کو بھول جاتا ہے۔

﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا﴾

''اور آپ کا رب بے حد بخشنے والا،نہایت رحم کرنے والا ہے اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑتا جو انہوں نے کمایا تو یقیناً ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا، بلکہ اُن کے وعدے کا ایک وقت ہے جس کے سوا وہ ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے''(58)

سوال1:﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ ''اور آپ کا رب بے حد بخشنے والا،نہایت رحم کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ ''اور آپ کا رب بے حد بخشنے والا،نہایت رحم کرنے والا ہے'' رب العزت نے اپنی بے پایاں رحمت اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے کہ جو کوئی اس سے توبہ کرتا ہے وہ اسے بخش دیتا ہے اور اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے۔﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرے گا تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑ لیا۔''(النساء:48)

(2)﴿لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾ ''اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑتا جو انہوں نے کمایا تو یقیناً ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا ورنہ دنیا عذاب سے تباہ ہو چکی ہوتی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ان کے ظلم کی بنیاد پر مؤاخذہ کرتا تو اس پر کسی جان دار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیتا ہے، چنانچہ جب ان کی مدت آجاتی ہے تو وہ اس سے ایک گھڑی بھی نہ پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں۔'' (النحل:61)

(3)﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا﴾ ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس کی وجہ سے پکڑتا جو انہوں نے کمایا تو سطح زمین پر کوئی جان دار بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ اُنہیں مقرر مدت تک مہلت دیتا ہے، پھر جب اُن کا مقررہ وقت آجائے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمیشہ سے خوب دیکھنے والا ہے''۔ (فاطر:45)

(4)﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۗ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ ''اور وہ بھلائی سے پہلے بُرائی کو جلدی مانگتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے بے شک بہت سی عبرتناک سزائیں گزر چکیں اور یقیناً آپ کا رب لوگوں کے لیے ان کے ظلم کے باوجود بڑی بخشش والا ہے، اور یقیناً آپ کا رب بلاشبہ بہت سخت سزا والا بھی ہے''۔ (الرعد:6)

(5) اللہ تعالیٰ تحمل والا ہے، وہ پردہ پوش ہے، سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، معاف کر دیتا ہے اور کبھی کسی کو گمراہی سے نجات دے کر راہ راست پر لے آتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے یوں ہی نہیں چھوڑ دیتا۔

سوال 2: ﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا﴾ ''بلکہ اُن کے وعدے کا ایک وقت ہے جس کے سوا وہ ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ﴾ ''بلکہ اُن کے وعدے کا ایک وقت ہے'' یعنی گناہوں پر اڑے رہنے والوں کے لئے ہولناک وقت مقرر ہے۔ ایک ایسا دن جس میں انہیں ان کے اعمال کی جزا ضرور دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ وہ فوراً گناہ پر نہیں پکڑتا، مہلت دیتا ہے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی ہے پھر ہلاکت کا وقت آجاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے اور اس سے فرار کا کوئی راستہ نہیں رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فوراً گرفت نہ کرنا، مہلت دینا اس کے غفور ورحیم ہونے کی دلیل ہے۔

(2)﴿لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا﴾ ''جس کے سوا وہ ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے'' اس سے بچنے کے لئے وہ کوئی جائے پناہ نہیں

پائیں گے۔

(3) اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا جو رجوع کر لیں ، انہیں بخش دیتا ہے اور جو ظلم پر جم جائیں ان پر عذاب نازل کر دیتا ہے جس سے وہ کسی صورت بچ کر نکل نہیں سکتے۔

﴿وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا﴾

''اور یہ بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کی ہلاکت کا ہم نے ایک وقت مقرر کر دیا'' (59)

سوال 1: ﴿وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا﴾ ''اور یہ بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کی ہلاکت کا ہم نے ایک وقت مقرر کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتِلْكَ الْقُرٰٓى﴾ ''اور یہ بستیاں ہیں'' یعنی عاد، ثمود اور اصحاب الایکہ۔

(2) ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ ''جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا'' ان کو ہم نے ہلاک کیا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کا انکار کر کے ظلم کیا۔

(3) ﴿وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا﴾ ''اور ان کی ہلاکت کا ہم نے ایک وقت مقرر کر دیا'' یعنی ان کی تباہی کے لئے جو وقت مقرر تھا اس سے وہ آگے پیچھے نہیں ہوئے۔

(4) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ظالم آدمی کو مہلت دے دیتا ہے، پھر جب اسے پکڑتا ہے تو پھر وہ اسے نہیں چھوڑتا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی (اور اس طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظالم لوگوں کی بستیوں کو پکڑتا ہے۔ بے شک اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہے۔'' (مسلم: 6581) دیکھ لو تباہ حال بستیوں کو ان کے باشندوں نے کفر اور سرکشی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجا تو افسانے ہی افسانے رہ گئے۔ کہیں تم پر بھی عذاب نہ آجائے کہ تم نے بھی رسول کو جھٹلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جاؤ اور سیدھے راستے پر آ جاؤ۔

رکوع نمبر 9

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾

''اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا میں زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا'' (60)

سوال 1: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ ''اور جب موسیٰ نے اپنے خادم

سے کہا کہ میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا میں زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ﴾ ''اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا'' اللہ رب العزت نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ ان کے اندر بھلائی اور علم کی کتنی شدید رغبت تھی۔ انہوں نے علمی سفر پر جانے کے لئے اپنے خادم سے فرمایا، جو آپ علیہ السلام کے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ وہ یوشع بن نون علیہ السلام تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں نبوت عطا فرمائی۔

(2)﴿لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ ''کہ میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مجمع البحرین پہنچنے تک سفر جاری رکھنے کا عندیہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی تھی کہ وہاں آپ کو اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے بندوں میں سے ایک بندہ ملے گا جس کے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس نہیں۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اندر علم کی طلب اتنی شدید تھی کہ انہوں نے فرمایا: میں سفر کرتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں۔

(4)﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ ''یا میں زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا۔'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے علم کے شوق اور رغبت کا پتہ چلتا ہے کہ میں طویل مسافت تک چلتا ہی چلا جاؤں گا اگرچہ مجھے سالوں سال چلنا پڑے۔ (5) اس قصے میں عالم اور طالب علم کے لئے تواضع ہے۔ (البحر الوجیز: 3/522)

﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾

''چنانچہ جب وہ دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، سو مچھلی نے سمندر میں سُرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا'' (61)

سوال: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ ''چنانچہ جب وہ دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، سو مچھلی نے سمندر میں سُرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَلَمَّا بَلَغَا﴾ ''چنانچہ جب وہ دونوں پہنچے'' جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم دونوں پہنچے۔

(2)﴿مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ ''دو دریاؤں کے سنگم پر تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، سو مچھلی نے سمندر میں سُرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اپنے ساتھ نمک لگی ہوئی خشک مچھلی لے لیں۔ ہمارا بندہ آپ کو ایسی جگہ ملے گا جہاں یہ مچھلی گم ہوگی۔ دونوں رفقاء مچھلی ساتھ لے کر چلے اور چلتے چلتے دریاؤں کے سنگم پر پہنچ گئے، وہاں ایک چشمہ تھا جسے چشمہ حیات کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں رفیق وہاں ستانے کے لئے بیٹھ گئے، تھکے ہوئے تو تھے ہی نیند آگئی۔ مچھلی پر چشمہ حیات کے پانی کی جو چھینٹیں پڑیں تو اس میں جان بھر گئی اور حرکت پیدا ہوگئی۔ مچھلی توشہ دان میں تھی جو یوشع علیہ السلام کے پاس تھا۔ پھر یہ توشہ دان سے کود کر دریا میں کود ی۔ اس کی آہٹ سے یوشع کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے دیکھا مچھلی پانی میں گئی اور اندر اندر چلی گئی اور پانی میں ایک بل سا باقی رہ گیا۔ یہ دیکھ کر انہیں بڑا تعجب ہوا کہ اس کے راستے والا بل پتھر کے سوراخ کی طرح بدستور باقی رہا۔ یہ جوں جوں پانی میں اترتی

جاتی چاروں طرف سے پتھر نما بل بنتا چلا جاتا۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ شروع دنیا سے لے کر آج تک کبھی اس طرح پانی نہیں جما بجز اس مچھلی کی راہ کے، یہ جوں جوں اندر گئی پانی جمتا گیا اور پانی میں ایک بل باقی رہ گیا، جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس آگئے اور آپ نے یہ بل اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیا اور یہ نہ کہہ دیا کہ اسی چیز کی تلاش میں ہم گھر سے نکلے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:106/1)

﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾

''پھر جب دونوں آگے گزر گئے تو موسیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ ہمارے پاس ہمارے دن کا کھانا لاؤ، بلاشبہ ہم نے آج کے اس سفر سے بڑی تھکاوٹ پائی ہے'' (62)

سوال: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''پھر جب دونوں آگے گزر گئے تو موسیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ ہمارے پاس ہمارے دن کا کھانا لاؤ، بلاشبہ ہم نے آج کے اس سفر سے بڑی تھکاوٹ پائی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ''پھر جب دونوں آگے گزر گئے تو موسیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ ہمارے پاس ہمارے دن کا کھانا لاؤ'' جب موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام اس سنگم سے آگے بڑھ گئے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان سے کہا:

(2) ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''بلاشبہ ہم نے آج کے اس سفر سے بڑی تھکاوٹ پائی ہے'' دوپہر کا کھانا لے آؤ، ہم اس سفر سے تھک گئے ہیں یعنی منزل مقصود سے بعد والے سفر سے۔

(3) یہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے نشانی تھی کہ انہوں نے اپنا مقصد پالیا ہے، نیز اس منزل پر پہنچنے کے شوق نے ان کے لئے سفر کو آسان بنا دیا، جب وہ اس مقام سے آگے بڑھ گئے تو انہوں نے تھکاوٹ محسوس کی۔ (تفسیر سعدی:1535/2)

﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ڰ عَجَبًا﴾

''اُس نے کہا کہ کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان نے ہی بھلوایا کہ میں اُس کا ذکر کروں اور مچھلی نے دریا میں اپنا عجیب طرح سے راستہ بنایا تھا'' (63)

سوال: ﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ڰ عَجَبًا﴾ ''اُس نے کہا کہ کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی

کو بھول گیا اور مجھے شیطان نے ہی بھلوایا کہ میں اُس کا ذکر کروں اور مچھلی نے دریا میں اپنا عجیب طرح سے راستہ بنایا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ ''اُس نے کہا کہ کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان نے ہی بھلوایا کہ میں اُس کا ذکر کروں'' دوپہر کا کھانا طلب کرنے پر سیدنا یوشع علیہ السلام نے بتایا کہ جہاں ہم نے پتھر پر ٹیک لگا کر آرام کیا تھا وہیں مچھلی عجیب طریقے سے راستہ بنا کر سمندر میں چلی گئی اور میں مچھلی کو بھول گیا۔ شیطان نے یہ واقعہ ہی میرے دل سے نکال دیا۔

(2)﴿وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا﴾ ''اور مچھلی نے دریا میں اپنا عجیب طرح سے راستہ بنایا تھا'' یعنی جب مچھلی دریا میں چلی گئی تو یہ چیز عجائبات میں سے تھی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ مچھلی کا پانی میں چلے جانا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لئے بڑا تعجب خیز تھا۔ (تفسیر سعدی:1536/2)

﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾

''موسیٰ نے کہا کہ یہی ہے جس کی ہم تلاش کر رہے تھے، چنانچہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے'' (64)

سوال: ﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ ''موسیٰ نے کہا کہ یہی ہے جس کی ہم تلاش کر رہے تھے، چنانچہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ﴾ ''موسیٰ نے کہا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کے سمندر میں غائب ہونے کا سن کر کہا۔

(2)﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ ''کہ یہی ہے جس کی ہم تلاش کر رہے تھے'' ہمیں اسی جگہ کی تو تلاش تھی۔

(3)﴿فَارْتَدَّا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں واپس لوٹے'' یعنی وہ دونوں واپس لوٹے۔

(4)﴿عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ ''اپنے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے'' وہ اپنے قدموں کو تلاش کرتے واپس اسی جگہ لوٹ آئے جہاں مچھلی کو بھول گئے تھے۔

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾

''تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک رحمت عطا کی تھی اور جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا'' (65)

سوال: ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ ''تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک رحمت عطا کی تھی اور جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ﴾ ''تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا'' یہاں بندے سے مراد خضر ہیں۔صحیح بخاری میں سورۃ الکہف کی تفسیر میں خضر یعنی سرسبز وشاداب کی وجہ تسمیہ بتائی گئی ہے کہ ایک مرتبہ وہ سفید زمین پر بیٹھے تو وہ حصہ زمین کے نیچے سے سرسبز ہو کر لہلہانے لگا اسی وجہ سے اُن کا نام خضر پڑ گیا۔

(2)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حر بن قیس فزاری رضی اللہ عنہ سے صاحب موسیٰ کے بارے میں ان کا اختلاف ہوا۔پھر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بلایا اور کہا کہ میرا اپنے ان ساتھی سے صاحب موسیٰ کے بارے میں اختلاف ہو گیا ہے جن سے ملاقات کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے راستہ پوچھا تھا،کیا رسول اللہ ﷺ سے آپ نے ان کے بارے میں سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تشریف رکھتے تھے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کیا کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو اس تمام زمین پر آپ سے زیادہ علم رکھنے والا ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔اس پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر ہے۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان تک پہنچنے کا راستہ پوچھا تو انہیں مچھلی کو اس کی نشانی کے طور پر بتایا گیا اور کہا گیا کہ جب مچھلی گم ہو جائے (تو جہاں گم ہوئی ہو وہاں) واپس آنا وہیں ان سے ملاقات ہوگی۔چنانچہ موسیٰ علیہ السلام دریا میں (سفر کے دوران) برابر مچھلی کی نگرانی کرتے رہے پھر ان سے ان کے رفیق سفر نے کہا کہ آپ نے خیال نہیں کیا جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تو میں مچھلی کے متعلق آپ کو بتانا بھول گیا تھا اور مجھے شیطان نے اسے یاد رکھنے سے غافل کر رکھا۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں اسی کی تو تلاش ہے چنانچہ یہ بزرگ اسی راستے سے پیچھے کی طرف لوٹے اور سیدنا خضر سے ملاقات ہوئی ان دونوں کے ہی وہ حالات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔'' (بخاری:3400)

(3)﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ ''جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک رحمت عطا کی تھی'' سیدنا خضر ایک صالح انسان تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمت سے نوازا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ علم اور حسن عمل سے بہرہ ور تھے۔

(4)﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ ''اور جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا'' سیدنا خضر کو وہ علم عطا کیا گیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا نہیں کیا گیا تھا۔اگرچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بہت سے امور میں سے ان سے زیادہ علم رکھتے تھے خاص طور پر علوم ایمانیہ اور علوم اصولیہ،کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کے ذریعے سے تمام مخلوق پر فضیلت سے نوازا تھا۔

(تفسیر سعدی:1536/2)

(5)اس علم سے مرادنبوت کے علاوہ تکوینی علم ہے جواللہ تعالیٰ نے سیدنا خضرکوعطا کیا تھالیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ علم نہیں تھا۔ یہاں جس علم کا تذکرہ ہےاس سے لوگوں کوعلم کے بارے میں یہ غلط فہمی ہوئی کہ جولوگ نبی نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ ان خاص لوگوں کوعلم لدنی سے نوازتا ہےاور یہ کہ یہ باطنی علم ہے جوشریعت کے ظاہری علم سے جوقرآن وحدیث کی صورت میں موجود ہے مختلف ہے۔

﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾

''موسیٰ نے اس سے کہا: ''کیامیں آپ کے پیچھے آسکتاہوں کہ آپ مجھے اُس بھلائی میں سے سکھائیں جوآپ کوسکھائی گئی ہے؟'' (66)

سوال:﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾''موسیٰ نے اس سے کہا: ''کیامیں آپ کے پیچھے آسکتاہوں کہ آپ مجھے اُس بھلائی میں سے سکھائیں جوآپ کوسکھائی گئی ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى﴾''موسیٰ نے اس سے کہا:'' جب موسیٰ علیہ السلام سیدنا خضر علیہ السلام سے ملے تو انتہائی ادب کے ساتھ اپنا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔

(2)﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾''کیامیں آپ کے پیچھے آسکتاہوں کہ آپ مجھے اُس بھلائی میں سے سکھائیں جوآپ کوسکھائی گئی ہے؟'' کیامیں آپ کی پیروی کروں کہ آپ مجھے وہ علم سکھادیں جواللہ تعالیٰ نے آپ کوعطا کررکھا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے میں رشدوہدایت کی راہ پاسکوں اوراس علم کے ذریعے سے ان تمام قضیوں میں حق کو پہچان سکوں؟ سیدنا خضر علیہ السلام کواللہ تعالیٰ نے الہام وکرامت سے نوازاہواتھاجس کی وجہ سے انہیں بہت سی چیزوں کے اسرارنہاں کی، جودوسرے لوگوں پرمخفی تھے حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام پربھی مخفی تھے، اطلاع ہوجاتی تھی۔ (تفسیر سعدی:1536/2)

(3)یعنی آپ مجھے نیک علم سکھادیں میں اس کے لئے آپ کومجبورنہیں کررہا۔ایک طالب علم کوعالم سے اسی طرح درخواست کرنی چاہیے۔

﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

''اُس نے کہا: ''تم میرے ساتھ صبرکرنے کی قطعاًاستطاعت نہیں رکھتے'' (67)

سوال:﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾''اُس نے کہا: ''تم میرے ساتھ صبرکرنے کی قطعاًاستطاعت نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾''اُس نے کہا:'' سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا۔

(2)﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾''تم میرے ساتھ صبرکرنے کی قطعاًاستطاعت نہیں رکھتے''یعنی آپ کومیرے ساتھ رہنے اورمیری پیروی کرنے کی قدرت حاصل نہیں کیونکہ آپ ایسے امورملاحظہ کریں گےجن کاظاہر برااورباطن اس کے برعکس ہوگا۔(تفسیر سعدی:1536/2)

(3) سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا کہ تم میری مصاحبت برداشت نہیں کر سکو گے کیونکہ مجھ سے ایسے کام دیکھو گے جو تمہاری شریعت کے خلاف ہوں گے کیونکہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ایسا علم ہے جس کو تم نہیں جانتے اور تمہارے پاس والے علم سے میں نا آشنا ہوں۔ جن باتوں پر میں مامور ہوں ان پر تم نہیں، جن پر تم مقرر ہوا ان پر میں نہیں۔ میرے ساتھ رہنا مشکل ہے۔

﴿وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾

''اور تم اس پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کا تم نے علم سے احاطہ نہیں کیا!'' (68)

سوال: ﴿وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ ''اور تم اس پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کا تم نے علم سے احاطہ نہیں کیا!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ ''اور تم اس پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کا تم نے علم سے احاطہ نہیں کیا!'' یعنی آپ کسی ایسے معاملے میں کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کے مقصد اور انجام کا آپ کو علم نہیں، جس کے ظاہری اور باطنی معاملات کو آپ نہیں جانتے۔ (2) یعنی جو کام تمہاری شریعت کے خلاف ہوں گے اس پر اعتراض کرنے پر تم مجبور ہو گے۔

﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾

''موسیٰ نے کہا: ''ان شاء اللہ آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا'' (69)

سوال 1: ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''ان شاء اللہ آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''موسیٰ نے کہا'' (2) ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ ''ان شاء اللہ آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا'' جس چیز کے بارے میں امتحان تھا، اس کے سامنے آنے سے پہلے یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عزم کا اظہار تھا۔ عزم ایک الگ چیز ہے اور صبر کا وجود ایک دوسری چیز ہے، اس لئے جب وہ امر واقع ہوا تو موسیٰ علیہ السلام اس پر صبر نہ کر سکے۔ (تفسیر سعدی: 1537/2)

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تم سے خلاف شریعت جو کام دیکھوں گا اسے ان شاء اللہ صبر سے برداشت کروں گا اور تمہارے کسی کام پر اعتراض نہیں کروں گا۔

سوال 2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معاہدے سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: (1) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معاہدے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم کے میدان میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ کچھ لوگ ذہن کے اندر

اُبھرنے والے سوالات کے جواب کے لیے وقت کا انتظار نہیں کر سکتے۔(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معاہدے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُستاد کی فرماں برداری علم کی ضرورت ہے جب کہ اُستاد کے بارے میں عام طور پر یہ ذمہ داری محسوس نہیں کی جاتی۔

سوال 3: اُستاد کی فرماں برداری سے حصول علم میں کیا مدد ملتی ہے؟

جواب: (1) اُستاد کی فرماں برداری دراصل عاجزی کا اظہار ہے۔ انسان جب کسی کے علم کو درست سمجھتا ہے تو اُس کی اطاعت کرتا ہے۔ (2) اطاعت ہی دراصل وہ پیمانہ ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم حاصل کرنے والے کے اندر قبولیت کا مادہ موجود ہے۔ اور جب قبولیت کا مادہ نہ ہو تو علم اندر ٹھہر نہیں سکتا۔

﴿قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾

”اُس نے کہا: ”پھر اگر تم میری پیروی کرتے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق نہ پوچھنا جب تک میں خود تم سے اس کا ذکر شروع نہ کروں“ (70)

سوال 1: ﴿قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ ”اُس نے کہا: ”پھر اگر تم میری پیروی کرتے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق نہ پوچھنا جب تک میں خود تم سے اس کا ذکر شروع نہ کروں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ یعنی سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ ”پھر اگر تم میری پیروی کرتے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق نہ پوچھنا جب تک میں خود تم سے اس کا ذکر شروع نہ کروں“ یعنی مجھ سے کوئی سوال کرنے میں پہل کرنا نہ میرے کسی فعل پر مجھ پر کوئی نکیر کرنا جب تک کہ میں خود ہی آپ کو مناسب وقت پر اس کے حال کے بارے میں نہ بتا دوں۔ یہ گویا سیدنا خضر علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ بالآخر حقیقت حال سے انہیں آگاہ کریں گے۔ (تفسیر سعدی: 1537/2)
(3) یہ متعلم کے عالم کے لئے اور پیروی کرنے والے کی طرف سے متبوع کے لئے آداب ہیں۔
(4) سیدنا خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے شرط کرا لی اور فرمایا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو کسی کام کو دیکھ کر اس کی مصلحت مجھ سے نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود تمہارے پوچھے بغیر اسے بتلا نہ دوں۔ (مختصر ابن کثیر: 1108/1)

سوال 2: عالم کے آداب کیا ہیں؟

جواب: (1) اُستاد کی بات کو اپنی بات پر فوقیت دینا۔ (2) اُستاد کی طرف سے کی جانے والی وضاحت کا انتظار کرنا۔ (3) اپنی بات کو ترجیح نہ دینا۔ (4) اُستاد کی اطاعت کرنا۔ (5) اُستاد کا ادب واحترام کرنا۔ (6) استاد کے آگے تواضع کرنا۔ (7) اُستاد کی علم کی وجہ سے عزت کرنا۔ (8) اُستاد کی دل شکنی کا احساس رکھنا۔

سوال3: علم سیکھنے کے کتنے درجات ہیں؟

جواب: علم کے پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان خاموش رہنا سیکھے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ توجہ سے سننا سیکھے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ جو سنے اسے یاد رکھے۔ چوتھا درجہ ہے کہ جو کچھ معلوم ہو جائے اس پر عمل کرے۔ اور پانچواں درجہ یہ ہے کہ جو علم حاصل ہوا سے پھیلائے۔

سوال4: علمی سوال کرنے کے بارے میں علماء کے موقف کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) علم کی اشاعت کے سلسلے میں سلف صالحین کے جو حالات ملتے ہیں' ان میں ایک خاص بات یہ ملتی ہے کہ ان بزرگوں نے شاگردوں کے لئے علمی سوال کرنے اور سوال کرنے کے معاملے میں شرم سے پرہیز کرنے پر زور دیا ہے۔

(2) سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''علم تلاش سے بڑھتا اور سوال سے حاصل ہوتا ہے۔'' ابن شہاب کا مقولہ ہے کہ ''علم خزانہ ہے اور سوال اس کی کنجی ہے۔''

(3) ایک شخص عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے حلقے میں حاضر ہوا۔ محدث طرح طرح کے سوال کر رہے تھے' مگر وہ شرم سے چپ بیٹھا تھا۔ سیدنا عبداللہ نے محسوس کیا اور ایک پرزے پر کچھ اشعار لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ تھا۔ ''بندۂ خدا' آج سوال کرنے سے ہچکچاتے رہے تو کل جب لوٹو گے تو ہاتھ میں ڈھاک کے تین پات ہی ہوں گے۔ شیخ کو سوالوں سے پریشان کرو' تم اسے نرم پاؤ گے اور وہ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گا۔ بیواؤں کی طرح نہ چلاؤ گے تو شیخ کے پاس سے خالی ہاتھ اٹھو گے۔'' مراد یہ تھی کہ شرم کے باعث سوال کرنے سے پرہیز نہ کرو بلکہ سوال کرو تا کہ تمہیں علم حاصل ہو۔

(4) امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ سب علم کیسے حاصل کیا انہوں نے جواب دیا ''مسلسل سوال کرنے سے اور ایک ایک لفظ گرہ میں باندھنے سے۔''

(5) ایک مشہور مقولہ ہے: ''جو سوال کرنے میں سبکی محسوس کرتا ہے اس کا علم بھی ہلکا ہوتا ہے۔''

(6) ایسے ہی سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''جو کوئی طلب علم میں شرماتا ہے اس کا علم حقیر رہتا ہے۔''

سوال5: علمی سوال پر استاد کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: (1) سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''پانچ باتیں ایسی ہیں جنہیں خوب یاد رکھنا چاہئے اور ان کے لئے ہر قسم کی مشقت برداشت کرنی چاہئے۔ (i) بندہ اپنے گناہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرے۔ (ii) انسان اپنے پروردگار کے سوا کسے سے آس نہ لگائے۔ (iii) جاہل سوال کرنے سے نہ شرمائے۔ (iv) عالم اگر کوئی بات نہیں جانتا' تو نہ جاننے کا اعتراف کرنے میں شرم محسوس نہ کرے۔ (v) (مصائب میں صبر کرے کیونکہ) ایمان میں صبر کا درجہ وہی ہے جو جسم میں سر کا۔ جس طرح بے سر کا جسم بے کار ہے' اسی طرح جس انسان میں صبر نہیں اس میں ایمان بھی نہیں۔

(2) سیدنا لقمان نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ اب تیری دانائی کس منزل پر ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ بے فائدہ باتوں سے پرہیز کرنے

لگا ہوں۔ سیدنا لقمان نے کہا کہ ابھی ایک کسر باقی ہے وہ یہ کہ علم رکھنے والوں کی صحبت میں بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ دانائی کے نور سے مردہ دلوں کو اس طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح مینہ سے مردہ زمین کو۔

سوال 6: طالب علم کے اخلاق کے بارے میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں جو کچھ بیان کیا اس میں یہ بھی ہے کہ (2) ''نبی ﷺ نے اپنے نفس سے تین چیزیں بالکل دور کر دی تھیں۔(i) بحث و مباحثہ کرنا۔(ii) ضرورت سے زیادہ بات کرنا۔(iii) جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔(3) دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز فرماتے تھے۔(i) کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔(ii) کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے۔(iii) کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ آپ ﷺ وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔''

(4) آپ ﷺ کا اپنا فرمان بھی ہے کہ: ''انسان کے اسلام کی خوبی میں یہ بات بھی ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کر دے۔''

رکوع نمبر 10

﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا﴾

''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہو گئے تو اس نے اُس میں شگاف ڈال دیا، موسیٰ نے کہا: ''کیا آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا کہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ بلاشبہ یقیناً یہ آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے''(71)

سوال 1: ﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہو گئے تو اُس نے اُس میں شگاف ڈال دیا، موسیٰ نے کہا: ''کیا آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا کہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ بلاشبہ یقیناً یہ آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہو گئے تو اُس نے اُس میں شگاف ڈال دیا'' سیدنا خضر علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام چلے کشتی میں سوار ہوئے تو اُنہوں نے کشتی میں شگاف ڈال دیا۔ اس کشتی میں اُن دونوں کے علاوہ اور سوار بھی موجود تھے۔

(2) یعنی سیدنا خضر علیہ السلام نے اس کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا اور اس کے پیچھے ایک مقصد تھا جس کو وہ عنقریب بیان کریں گے۔ (تفسیر سعدی: 1537/2)

سوال2:﴿قَالَ اَخَرَقۡتَهَا لِتُغۡرِقَ اَهۡلَهَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـئًا اِمۡرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''کیا آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا کہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ بلاشبہ یقیناً یہ آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ اَخَرَقۡتَهَا لِتُغۡرِقَ اَهۡلَهَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـئًا اِمۡرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''کیا آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا کہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ بلاشبہ یقیناً یہ آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے'' (i) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب عقل اور شریعت کے خلاف ایک کام دیکھا تو صبر نہ کر سکے۔ وعدہ ٹوٹ گیا کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بُرائی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں ایک قبطی اور اسرائیلی کو لڑتے دیکھا تو ایسا مکا رسید کیا کہ جان لے لی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی لیکن دوسرے دن جب اسرائیلی اور مصری لڑے تو یہ پھر غصے ہوئے تو یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا مزاج تھا۔(ii) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس خاص علم کے بارے میں پتہ نہیں تھا جس کے تحت کشتی کے تختے توڑے گئے اس لیے صبر نہ کر سکے۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس علم کی خبر نہیں تھی جس کے تحت تختے توڑ ڈالنا ہی درست تھا اور علم شریعت کے اعتبار سے جو چیز کسی کی ذاتی ملکیت نہیں اُس پر اپنا اختیار استعمال کرنا اور وہ بھی غلط طریقے سے استعمال کرنا درست نہیں۔ اس لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے علم نبوی اور عقلی اعتبار سے اس کام کو ہیبت ناک قرار دیا۔

﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا﴾

''اُس نے کہا: ''کیا میں نے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کرنے کی قطعاً استطاعت نہیں رکھتے'' (72)

سوال1:﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا﴾ ''اُس نے کہا: ''کیا میں نے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کرنے کی قطعاً استطاعت نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾ سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا۔

(2)﴿اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا﴾ ''کیا میں نے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کرنے کی قطعاً استطاعت نہیں رکھتے'' سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو شرط یاد دلائی اور کہا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم سے صبر نہیں ہو سکے گا کیونکہ ان کاموں کے بارے میں علم نہیں رکھتے اور ان کاموں کی مصلحتوں کے بارے میں تمہارا علم تمہیں کچھ نہیں بتاتا۔

﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِىۡ بِمَا نَسِيۡتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِىۡ مِنۡ اَمۡرِىۡ عُسۡرًا﴾

''موسیٰ نے کہا: ''جو میں بھول گیا اُس پر آپ مجھے نہ پکڑیں اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ پھنسائیں'' (73)

سوال1:﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِىۡ بِمَا نَسِيۡتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِىۡ مِنۡ اَمۡرِىۡ عُسۡرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''جو میں بھول گیا اُس پر آپ

مجھے نہ پکڑیں اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ پھنسائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا خضر علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

(2)﴿لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ﴾ ''جو میں بھول گیا اُس پر آپ مجھے نہ پکڑیں'' یعنی بھول پر گرفت نہ کریں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں شرطوں کو بھول گیا۔

(3)﴿وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا﴾ ''اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ پھنسائیں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میرے ساتھ سختی کا نہیں آسانی کا معاملہ کریں۔ (4) یعنی مجھے مشکل میں نہ ڈالیں۔ (تفسیر سعدی:1537/2)

﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾

''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ ایک لڑکے سے ملے۔ پھر اُس (خضر) نے اُسے قتل کر دیا موسیٰ نے کہا: ''کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے کے قتل کر دیا؟ بلاشبہ یہ تو آپ نے یقیناً بہت بُرا کام کیا'' (74)

سوال:﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ ایک لڑکے سے ملے۔ پھر اُس (خضر) نے اُسے قتل کر دیا موسیٰ نے کہا: ''کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے کے قتل کر دیا؟ بلاشبہ یہ تو آپ نے یقیناً بہت بُرا کام کیا۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَانْطَلَقَا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے'' سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی معذرت قبول کر لی۔ یوں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا علمی سفر دوبارہ شروع ہوا۔

(2)﴿حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ﴾ ''حتیٰ کہ وہ ایک لڑکے سے ملے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک لڑکے کو سیدنا خضر نے قتل کر دیا اور یہ قتل عمد تھا۔

(3)﴿قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ ''کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے کے قتل کر دیا؟ بلاشبہ یہ تو آپ نے یقیناً بہت بُرا کام کیا'' اس پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سخت ناراض ہوئے۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے اس چھوٹے سے بچے کو قتل کر دیا جس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی حمیت دینی نے جوش مارا اور کہنے لگے:﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ چھوٹے سے معصوم بچے کے قتل جیسا برا کام اور کون سا ہو سکتا ہے، جس کا کوئی جرم نہیں اور نہ اس نے کسی کو قتل کیا ہے۔ (تفسیر سعدی:1537,1538/2)

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام دوسری بار بھولے نہیں تھے نہ غافل تھے لیکن گناہ، کبیرہ پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے اس لیے صبر کرنا مشکل تھا حالانکہ انہیں عہد یاد تھا۔

﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

''اُس نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے'' (75)

سوال: ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ''اُس نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ایک بار پھر شرط یاد دلائی اور کہا کہ آپ وعدہ خلافی کر رہے ہیں۔ ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ اُس نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے۔''

(2) پہلی بار سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھول چوک کا نتیجہ تھا۔ دوسری مرتبہ کا اعتراض صبر نہ کرسکنے کی وجہ سے تھا۔

(3) رب العزت نے صبر کے بارے فرمایا: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ''اور یقیناً جو صبر کرے اور معاف کردے، تو بلاشبہ یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔'' (الشوریٰ:43)

(4) انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے انہیں (مال) دیا اس کے بعد پھر انہوں نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے پھر (مال) دیا یہاں تک کہ جو مال آپ ﷺ کے پاس تھا اب وہ ختم ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس مال و دولت ہو تو میں اسے بچا کر نہیں رکھوں گا مگر جو شخص سوال کرنے سے بچتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے سوال کرنے سے محفوظ ہی رکھتا ہے اور جو شخص بے نیازی برتتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز بنا دیتا ہے اور جو شخص اپنے اوپر زور ڈال کر بھی صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے صبر و استقلال دے دیتا ہے اور کسی کو بھی صبر سے زیادہ بہتر اور اس سے زیادہ بے پایاں خیر نہیں ملی۔ (صبر تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے) (بخاری:1469)

﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا﴾

''موسیٰ نے کہا: ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں،

یقیناً آپ میری طرف سے عُذر کو پہنچ گئے ہیں'' (76)

سوال: ﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں، یقیناً آپ میری طرف سے عُذر کو پہنچ گئے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔

(2)﴿اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَیۡءٍۭ بَعۡدَهَا﴾ ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں'' یعنی اس بار کے بعد اگر میں نے آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا۔

(3)﴿فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ﴾ ''تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس بار معذرت کے ساتھ خود ہی سزا بھی تجویز کر لیتے ہیں کہ اگر اب میں نے وعدہ خلافی کی تو آپ مجھے اپنی صحبت کے شرف سے محروم کر دیجئے گا۔

(4)﴿قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّیۡ عُذۡرًا﴾ ''یقیناً آپ میری طرف سے عُذر کو پہنچ گئے ہیں'' مجھے اس پر اعتراض نہیں ہوگا اور اب آپ کو میری جانب سے معقول عذر مل گیا ہے۔

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو پہلے اپنے آپ سے ابتدا فرماتے اور کہتے: اللہ کی رحمت ہو ہم پر اور موسیٰ پر۔ پھر فرمایا: ''اگر وہ صبر کر لیتے تو وہ اپنے صاحب (خضر علیہ السلام) سے بہت سے عجائب دیکھتے، لیکن انھوں نے خود ہی کہہ دیا: ''موسیٰ نے کہا: ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔'' (ابوداؤد:3984)

﴿فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهۡلَ قَرۡیَةِ ۣاسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا فَاَبَوۡا اَنۡ یُّضَیِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِیۡهَا جِدَارًا یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡهِ اَجۡرًا﴾

''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے، انہوں نے اس کے باشندوں سے کھانا طلب کیا تو اُنہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کریں، پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے تو اس نے اُسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: ''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت لے لیتے'' (77)

سوال1: فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهۡلَ قَرۡیَةِ ۣاسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا فَاَبَوۡا اَنۡ یُّضَیِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِیۡهَا جِدَارًا یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡهِ اَجۡرًا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے، انہوں نے اس کے باشندوں سے کھانا طلب کیا تو اُنہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کریں، پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے تو اس نے اُسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: ''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت لے لیتے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهۡلَ قَرۡیَةِ ۣاسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی

والوں کے پاس آئے انہوں نے اس کے باشندوں سے کھانا طلب کیا'' سیدنا موسیٰ اور سیدنا خضر تیسری بار جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچے جس کے رہنے والے بخیل تھے۔ انہوں نے بستی والوں سے مہمان کے طور پر ٹھہرنے کی درخواست کی۔

(2)﴿فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ﴾ ''تو اُنہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کریں پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے'' بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو جھکی ہوئی تھی اور گرنے ہی والی تھی۔

(3)﴿فَأَقَامَهُ﴾ '' تو اس نے اُسے سیدھا کر دیا'' سیدنا خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھوں سے سیدھا کر دیا۔ یہ ان کی ایک کرامت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام سے رہا نہ گیا۔ (4) اور وہ بول پڑے ﴿قَالَ﴾ ''انہوں نے کہا''۔

(5)﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ ''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت لے لیتے'' آپ کو دیوار سیدھی کرنے کی اجرت لینی چاہئے تھی۔ اگر آپ چاہتے تو ان سے اجرت طلب کر لیتے۔

(6) خضر کے طرز عمل میں سبق یہ ہے کہ سچے اہل ایمان کا دوسروں سے سلوک جوابی سلوک نہیں ہوتا بلکہ ہر حال میں حق کے مطابق ہوتا ہے۔

سوال 2: مہمان نوازی کے بارے میں شریعت کیا تلقین کرتی ہے؟

جواب: (1) مہمان نوازی کے بارے میں شریعت کا موقف بڑا مضبوط ہے اور اسے ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔

(2) سیدنا ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا، جس وقت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور اس کی خاطر تواضع کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مہمان کی خاطر تواضع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات (تو اس کی خوب خدمت کرے) اور تین دنوں تک اس کی مہمان نوازی کرے، اس کے بعد وہ اس پر صدقہ ہے اور آپ نے فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ وہ خیر کی بات کہے یا وہ خاموش رہے۔ (صحیح مسلم 4513)

(3) سیدنا ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مہمان نوازی تین دنوں تک ہے اور اس کی خاطر تواضع ایک دن اور ایک رات تک اور کسی مسلمان آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے پاس اتنی دیر قیام کرے کہ وہ اسے گناہ گار کر دے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ اس کو کیسے گناہ گار کر دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی اس کے پاس ٹھہرے (اور اتنی دیر تک ٹھہرا رہے) کہ اس کے پاس اس کی مہمان نوازی کے لیے کچھ نہ بچے۔'' (صحیح مسلم: 4514)

(4) سیدنا عقبہ بن عامر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک آپ ہمیں بھیجتے ہیں تو ہم ایک ایسی قوم کے پاس جا کر اترتے ہیں جو کہ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے تو اس بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے

ہمیں فرمایا: اگر تم کسی ایسی قوم کے پاس اترو تو اگر وہ تمہاری (اسی طرح خدمت کریں) جس طرح کہ ایک مہمان کی ضیافت کی جاتی ہے تو تم اسے قبول کرلو اور اگر وہ اس طرح نہ کریں تو پھر ان سے ضیافت کا اس قدر حق (سامان) لے لو جتنا ان پر ایک مہمان کا حق ہوتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 4516)

﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾

''اُس نے کہا: ''یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، میں جلد ہی آپ کو ان باتوں کی اصل حقیقت بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے'' (78)

سوال: ﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ ''اُس نے کہا: ''یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، میں جلد ہی آپ کو ان باتوں کی اصل حقیقت بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا خضر نے کہا۔

(2) ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ ''یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے'' سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو توجہ دلائی کہ وہ اپنی شرط پوری نہیں کر سکے، جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ اس پر سیدنا خضر علیہ السلام نے معذرت کر لی اور کہا اب تم سے جدائی کا وقت آ گیا ہے، کیونکہ بچے کے قتل کے وقت تم نے یہ شرط خود ہی لگائی تھی کہ اگر اب سوال کروں تو ساتھ نہ رکھنا۔ اس شرط کی رو سے اب آپ میں اور مجھ میں جدائی ہے۔ میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا، نہ عذر باقی رہا، نہ مصاحبت کی کوئی وجہ۔

﴿أَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾

''رہی کشتی، تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک ایسا بادشاہ تھا جو زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا'' (79)

سوال: ﴿أَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ ''رہی کشتی، تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک ایسا بادشاہ تھا جو زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ ''رہی کشتی، تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے'' سیدنا خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ اکھاڑنے کی وجہ بتائی جس کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بظاہر برا کام سمجھا تھا اور اس پر سیدنا خضر علیہ السلام کو ٹوکا

تھا۔وہ اندرونی مصلحت جو سیدنا خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بتائی، وہ انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی بتادی۔انہوں نے کہا کہ جس کشتی کے میں نے تختے اکھاڑے تھے وہ چند غریب لوگوں کی تھی، جو سمندر میں کام کرتے تھے۔

(2)﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا﴾''چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے عیب دار کردوں اور ان کے آگے ایک ایسا بادشاہ تھا جو زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا''اور آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔میں نے اسے اس لیے عیب دار کردیا تاکہ چھوٹے سے نقصان کی وجہ سے بڑے نقصان سے محفوظ ہوجائیں۔یعنی عیب دار ہونے کی وجہ سے ظالم بادشاہ کے ہاتھوں غریبوں کی کشتی بچ جائے۔

(3)سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح قرأت فرمایا کرتے تھے:''اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح کشتی غصب کرلیتا تھا۔''(بخاری:4725)

(4)اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ حادثات سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہوجائیں تو ضرور انسان کو وہ فائدہ نظر آجاتا ہے جو بظاہر چھپا ہوا ہوتا ہے لیکن اپنے وقت پر ظاہر ہوجاتا ہے۔

﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا﴾

''اور رہا لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے، چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسادے گا''(80)

سوال:﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا﴾''اور رہا لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے، چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسادے گا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ﴾''اور رہا لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے''اور جہاں تک اس لڑکے کا تعلق ہے جس کو میں نے قتل کردیا تھا۔اس کے بارے میں انہوں نے واضح کیا کہ اس کے والدین مومن تھے۔

(2)سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:یہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، یہ روز اول ہی سے کافر پیدا ہوا تھا۔(مسلم:2661)

(3)﴿فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا﴾''چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسادے گا''سیدنا خضر علیہ السلام نے لڑکے کے بارے میں بتایا کہ بظاہر تو وہ واجب القتل نہ تھا لیکن مستقبل خطرناک تھا۔اس کے نفس کے اندر برائیوں کے ایسے بیج ڈالے جاچکے تھے کہ وہ زندہ رہتا تو والدین کی نافرمانی کرتا اس لیے ہم نے چاہا کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی کی بھی توقع ہو۔

(4)اس لڑکے کی تقدیر میں تھا کہ اگر وہ بالغ ہوجاتا تو اپنے والدین کو کفر اور سرکشی کے لیے مجبور کرتا۔سیدنا خضر علیہ السلام کو یہ ڈر لگا کہ یا تو

والدین فطری محبت کی وجہ سے یا ضرورت کی وجہ سے کفر یا سرکشی پر مجبور ہو جائیں گے۔اس بچے کے بارے میں مجھے علم تھا اس لیے اس کے والدین کے دین کی حفاظت کے لیے اس کو قتل کر دیا۔

(5)اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے اگرچہ بچے کو قتل کرنے میں والدین کے لیے تکلیف اور ان کی نسل کا خاتمہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ انہیں اس سے بہتر اولاد عطا فرمائے گا۔

﴿فَأَرَدْنَآ أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَوٰةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا﴾

''تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب ان دونوں کو اس کا بہترین بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور رحمت میں زیادہ قریب ہو'' (81)

سوال1:﴿فَأَرَدْنَآ أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَوٰةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا﴾ ''تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب ان دونوں کو اس کا بہترین بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور رحمت میں زیادہ قریب ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَأَرَدْنَآ أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَوٰةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا﴾ ''تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب ان دونوں کو اس کا بہترین بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور رحمت میں زیادہ قریب ہو'' یعنی اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایسا بیٹا عطا فرمائے، جو نیک پاک اور صلہ رحمی کرنے والا ہو گا کیونکہ وہ بچہ جس کو قتل کر دیا گیا تھا اگر بالغ ہو جاتا تو وہ والدین کا سخت نافرمان ہوتا اور وہ ان کو کفر اور سرکشی پر مجبور کر دیتا۔(تفسیر سعدی:1541/2)

(2)﴿زَكَوٰةً﴾ ''پاکیزگی میں'' یعنی دین اور اخلاق میں۔

سوال2:اس واقعے سے ہمیں کیا اسباق ملتے ہیں؟

جواب:(1)اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر جگہ مدد کرتا ہے حتیٰ کہ ایسے معاملے میں بھی جس کا انسان کو علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے رب سے دُعا ہی کر سکے۔(2)انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے خیر کی اُمید رکھنی چاہیے۔

(3)انسان کو اپنے رب کے علم پر اعتماد کرنا چاہیے کہ وہ کلی علم رکھتا ہے اور انسان جزوی علم کی وجہ سے جان نہیں پاتا۔انسان کو صبر اور شکر کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔قتال کی مثال دیتے ہوئے رب العزت نے اپنے علم کے بارے میں فرمایا:﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ''تم پر قتال فرض کر دیا گیا حالانکہ وہ تمہارے لیے ناپسندیدہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کوئی چیز پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بدتر ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔'' (البقرہ:216)

﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾

''اور رہی وہ دیوار، تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا چنانچہ تمہارے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں، تمہارے رب کی طرف سے رحمت تھی اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا۔ ان باتوں کی اصل حقیقت یہ ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے'' (82)

سوال 1: ﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ ''اور رہی وہ دیوار، تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ﴾ ''اور رہی وہ دیوار'' یعنی جس دیوار کو میں نے سیدھا کیا تھا۔

(2) ﴿فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ ''تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا'' یعنی ان کا حال ان پر رافت و رحمت کا تقاضا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں بہت چھوٹے تھے اور باپ سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کی نیکی کی بنا پر ان کی حفاظت فرمائی۔

(تفسیر سعدی: 1541/2)

سوال 2: ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ''چنانچہ تمہارے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں، تمہارے رب کی طرف سے رحمت تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ ''چنانچہ تمہارے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں'' اس میں اشارہ کہ ان یتیم بچوں کے لئے مدفون خزانے کی حفاظت کا سامان بذریعہ خضر علیہ السلام اس لئے کرایا گیا تھا کہ ان یتیم بچوں کا باپ کوئی مرد صالح اللہ کے نزدیک مقبول تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کرنے اور اس کی اولاد کو فائدہ پہنچانے کا یہ انتظام فرمایا۔ محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بندے کی نیکی اور صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے خاندان کی اور آس پاس کے مکانات کی حفاظت فرماتے ہیں۔ (مظہری) (تفسیر معارف القرآن: 621،622/5)

(2) ﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ''تمہارے رب کی طرف سے رحمت تھی'' سیدنا خضر نے کہا کہ میں نے جو کام بھی کیے ہیں، یہ آپ کے رب کی رحمت ہے جس سے اس نے اپنے بندے خضر کو نوازا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے۔

سوال3: ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ ''اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا۔ ان باتوں کی اصل حقیقت یہ ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ ''اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا'' یعنی میں نے ان میں سے کوئی کام محض اپنے ارادے سے نہیں کیا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا حکم تھا۔

(2) سیدنا خضر علیہ السلام کی وضاحتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم نبوت اور تکوینی علم میں فرق ہے۔

(3) تکوینی علم اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ سیدنا خضر علیہ السلام کو یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔

(4) میں نے سارے کام بہ الہام الٰہی سرانجام دیئے۔

(5) مطلب یہ کہ ان بظاہر خلاف شریعت افعال میں سے کوئی سا کام بھی میری ذاتی رائے یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں، سب الہامات الٰہی ہی کے تابع ہوئے ہیں۔

(6) نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے سے بڑا صاحب باطن بھی خلاف احکام شریعت ظاہری نہیں جا سکتا۔ (تفسیر ماجدی: 148/3)

(7) ﴿ذٰلِكَ﴾ ''ان باتوں کی'' یعنی یہ جو میں نے آپ کے سامنے ان باتوں کی حقیقت بیان کی ہے۔

(8) ﴿تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ ''ان باتوں کی اصل حقیقت یہ ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔''

سوال4: سیدنا خضر علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے کیا فوائد ملتے ہیں؟

جواب: (1) اس قصے سے علم اور طلب علم کی لیے رحلت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ طلب علم اہم ترین معاملہ ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طلب علم کے لیے عظیم سفر کیا اور مشکلات برداشت کیں۔ بنی اسرائیل کو تعلیم دینے اور ان کی راہ نمائی کے لیے ان کے پاس بیٹھنا ترک کر کے علم میں اضافے کے لیے سفر کیا۔

(2) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابتداء سب سے اہم کام سے ہونی چاہیے۔ انسان کا علم اور اس کے علم میں اضافہ کرنا اس کو ترک کرنے اور علم حاصل کیے بغیر تعلیم میں مشغول رہنے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ مگر دونوں امور کا یکجا ہونا زیادہ کامل ہے۔

(3) سفر و حضر میں کام کاج اور راحت کے حصول کے لیے خادم رکھنا جائز ہے جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔

(4) اگر کوئی شخص طلب علم یا جہاد وغیرہ کے لیے سفر کرتا ہے اور مصلحت کے تقاضے کے مطابق وہ اپنے مقصد اور منزل کے بارے میں بتاتا ہے تو یہ اس کو چھپانے سے بہتر ہے کیونکہ اس کو ظاہر کرنے میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً اس کی سفر کی تیاری، سامان مہیا کرنے، اس کام کو دیکھ بھال کر احسن طریقے سے سرانجام دینے کا اہتمام اور اس جلیل القدر عبادت کے لیے شوق کا اظہار وغیرہ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓي اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ ''میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا میں

زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا۔'' (الکھف:60) اور جیسے نبی کریم ﷺ نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کو اس کے بارے میں آگاہ فرمادیا تھا حالانکہ ایسے امور میں توریہ کرنا آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ یہ چیز مصلحت کے تابع ہے۔

(5) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شر اور اس کے اسباب کو اس لحاظ سے شیطان کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے کہ وہ بہکاتا ہے اور شر کو مزین کرتا ہے۔ اگرچہ خیر وشر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے واقع ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے کہا۔ ﴿وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ ''شیطان نے مجھے اس کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔'' (الکھف:63)

(6) انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی طبیعت کے تقاضوں مثلاً بھوک اور پیاس وغیرہ کے بارے میں اطلاع دے۔ جبکہ اس میں صداقت ہو اور اس میں (اللہ تعالیٰ اور تقدیر پر) ناراضگی کے اظہار کا کوئی پہلو نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''بلاشبہ ہم نے آج کے اس سفر میں بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔'' (الکھف:62)

(7) خادم کا ذہین وفطین اور سمجھ دار ہونا پسندیدہ ہے تاکہ انسان اپنے مطلوبہ ارادوں کی بہتر طریقے سے تکمیل کر سکے۔

(8) انسان کا اپنے خادم کو اپنے کھانے سے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا مستحب ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قول سے بس یہی ظاہر ہوتا ہے۔ فرمایا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ''لاؤ ہمارے پاس ہمارا کھانا۔'' (الکھف:62) یہ اضافت سب کی طرف سے ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم نے اکٹھے کھانا کھایا۔

(9) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم کرنے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کرنے والے کی جو مدد کی جاتی ہے، وہ کسی اور کی نہیں کی جاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''ہمیں اپنے اس سفر میں بہت تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔'' (الکھف:62) یہ دریاؤں کے سنگم سے متجاوز سفر کی طرف اشارہ ہے دریاؤں کے سنگم سے قبل سیدنا موسیٰ نے تھکاوٹ کی شکایت نہیں کی۔ حالانکہ وہ بہت طویل سفر تھا کیونکہ یہی حقیقی سفر تھا (لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کی وجہ سے وہ محسوس نہیں ہوا) رہا دریاؤں کے سنگم کے بعد والا سفر تو ظاہر ہے وہ سفر کا کچھ حصہ یعنی دن کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ جب انہوں نے چٹان پر بیٹھ کر آرام کیا تھا وہاں مچھلی غائب ہوئی تھی۔ ظاہر ہے انہوں نے وہاں چٹان کے پاس ہی رات بسر کی۔ پھر اگلی صبح سفر پر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ جب صبح کے کھانے کا وقت ہوا۔ سیدنا موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا۔ ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ''ہمارے لیے کھانا لاؤ۔'' (الکھف:62) یہاں آکر خادم کو یاد آیا کہ اس مقام پر مچھلی کے غائب ہونے کا ذکر کرنا بھول گیا۔ جوان کی منزل اور مقصود سفر تھا۔ (لیکن اس تھوڑے سے سفر سے انہیں تھکاوٹ ہوگئی تھی)۔

(10) اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ جس سے انہوں نے ملاقات کی تھی نبی نہیں تھا بلکہ ایک صالح بندہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عبودیت کی صفت سے موصوف کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت اور علم سے نوازا تھا۔ مگر رسالت اور نبوت کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر جناب

خضر نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی نبوت کا ضرور ذکر کرتا۔ جیسا کہ دوسرے انبیاء اور مرسلین کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ جہاں تک قصے کے آخر میں ان کے اس قول ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِي﴾ ''اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا۔'' (الکھف:82) کا تعلق ہے تو یہ ان کے نبی ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ تو الہام وتحدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ غیر انبیاء کو الہام سے نوازا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ ''ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام کیا کہ اس کو دودھ پلا۔'' (القصص:7) اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ ''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ وہ پہاڑوں میں اپنے چھتے بنائے۔ (سورہ النحل:68)

(11) وہ علم جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے اس کی دو اقسام ہیں۔ (i) علم اکتسابی۔ جسے بندہ اپنی جد وجہد اور اجتہاد سے حاصل کرتا ہے۔ (ii) علم لدنی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر بھی کرم نوازی کرتا ہے اسے یہ علم عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ ''اور ہم نے انہیں اپنی طرف سے خاص علم نوازا ہے۔'' (سورہ الکھف:65)

(12) ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ معلم کے ساتھ ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے اور متعلم کو چاہیے کہ وہ نہایت لطیف طریقے سے معلم سے مخاطب ہو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا خضر سے اس طرح عرض کی تھی۔ ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ ''کیا میں آپ کے پیچھے آ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے اس بھلائی میں سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟'' (الکھف:66) چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ملاطفت اور مشاورت کے اسلوب میں بات کی۔ گویا عرض کی کہ کیا آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں گے یا نہیں اور ساتھ ہی اقرار کیا کہ وہ متعلم ہیں۔ بے ادب اور متکبر لوگوں کا رویہ اس کے برعکس ہوتا ہے جو معلم پر یہ ظاہر نہیں کرتے کہ وہ اس کے علم کے محتاج ہیں بلکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حصول علم میں وہ ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں بلکہ بسا اوقات ان میں سے بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے معلم کو تعلیم دے رہے ہیں۔ ایسا شخص سخت جاہل ہے۔ معلم کے سامنے تذلیل اور انکساری اور معلم کے علم کا محتاج ہونے کا اظہار متعلم کے لیے بہت فائدہ مند چیز ہے۔

(13) اس قصے سے مستفادہ ہوتا ہے کہ ایک عالم اور صاحب فضیلت شخص کو بھی علم حاصل کرتے وقت تواضع اور انکساری کا اظہار کرنا چاہیے چاہے اس کا استاد اس سے درجے میں کم تر ہی ہو۔ کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سیدنا خضر علیہ السلام سے بلاشبہ افضل تھے۔

(14) اس واقعے سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ عالم فاضل شخص کسی چیز میں مہارت حاصل کرنے کے لیے، جس میں وہ ماہر نہیں، اس شخص سے علم حاصل کرے جو اس علم میں مہارت رکھتا ہے اگرچہ وہ علم وفضل میں اس سے بدرجہا کم تر کیوں نہ ہو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا جو دوسروں کو عطا نہیں کیا۔ مگر یہ خاص علم جو سیدنا خضر کے پاس تھا آپ اس سے محروم تھے اس لیے اس علم کو سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بناء بریں ایک محدث وفقیہ کے لیے مناسب نہیں جبکہ وہ صرف ونحو وغیرہ میں کم مایہ ہو کہ وہ اس

شخص سے علم سیکھنے کی کوشش نہ کرے جو اس میں ماہر ہے اگرچہ وہ محدث اور فقیہ نہ ہو۔

(15)ان آیات کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علم اور دیگر فضائل کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے۔اس کا اقرار کرنا چاہیے اور اس کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ ''آپ مجھے سکھائیں اس میں سے جو آپ کو سکھایا گیا۔'' (الکھف:66) یعنی اس علم سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔

(16)علم نافع وہ علم ہے جو خیر کی طرف راہ نمائی کرے ہر وہ علم جس میں رشد و ہدایت اور خیر کی طرف راہنمائی ہو، شر کے راستے سے ڈرایا گیا، یا ان مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہو، وہ علم نافع ہے۔اس کے علاوہ دیگر علوم یا تو وہ نقصان دے ہوتے ہیں یا ان میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسے فرمایا:﴿تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ ''کہ آپ مجھے اس بھلائی میں سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی۔'' (الکھف:66)

(17)اس واقعے سے مستفادہ ہوتا ہے کہ جس شخص میں عالم اور علم کی صحبت کے لیے قوت صبر اور حسن ثبات نہیں وہ علم حاصل کرنے کا اہل نہیں۔جو صبر سے محروم ہے وہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔جو شخص صبر کو کام میں لاتا ہے اور اس کا التزام کرتا ہے وہ جس امر میں بھی کوشش کرے گا اس کو حاصل کرلے گا۔سیدنا خضر نے سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے معذرت کرتے ہوئے اس مانع کا ذکر کیا تھا جو ان کے لیے حصول علم میں مانع تھا اور وہ تھا جناب خضر کی معیت میں ان کا عدم صبر۔

(18)اس قصے سے ثابت ہوا کہ حصول صبر کا سب سے بڑا سبب اس امر میں اس کا علم و آگہی ہے جس میں صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔پس جو شخص اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، نہ اس کے غرض و غایت اس کے نتیجہ، اس کے فوائد و ثمرات کا اسے علم ہے وہ صبر کے اسباب سے بے بہرہ ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ ''جس چیز کے بارے میں آپ کو کوئی خبر نہ ہو۔ آپ اس کے بارے میں کیسے صبر کرسکتے ہیں؟'' (الکھف:68) پس جناب خضر نے اس چیز کے بارے میں عدم علم کو بے صبری کا سبب قرار دیا۔

(19)اس قصے سے مستنبط ہوتا ہے جب تک کسی چیز کے مقصد اور اس بات کی معرفت حاصل نہ ہو جائے کہ اس سے کیا مراد ہے اس وقت تک اس پر خوب غور و فکر کیا جائے اور اس پر حکم لگانے میں جلدی نہ کی جائے۔

(20)اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ مستقبل میں واقع ہونے والے بندوں کے افعال کو مشیت الٰہی سے معلق کیا جائے۔جب بندہ کسی چیز کے بارے میں کہے کہ وہ مستقبل میں یہ کام کرے گا تو اس کے ساتھ ان شاء اللہ ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا'' ضرور کہے۔

(21)کسی چیز کے فعل کا عزم، اس فعل کے قائم مقام نہیں۔سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا تھا۔﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔'' (الکھف:69) پس انہوں نے اپنے نفس کو صبر پر مجبور کیا مگر صبر نہ کرسکے۔

(22)اس آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر معلم اس امر میں مصلحت سمجھتا ہو کہ متعلم بعض چیزوں کے متعلق سوال میں ابتداء نہ کرے، جب تک کہ معلم خود اسے ان چیزوں سے واقف نہ کرائے۔۔۔تو مصلحت ہی کی پیروی کی جائے۔مثلاً اگر معلم سمجھے کہ متعلم کم فہم ہے یا معلم

متعلم کو زیادہ باریک سوال کرنے سے روک دے جب کہ اس کے علاوہ دیگر امور زیادہ اہم ہوں یا متعلم کا ذہن اس کا ادراک نہ کر سکتا ہو، یا وہ کوئی ایسا سوال کرے جو زیر بحث موضوع سے متعلق نہ ہو۔

(23) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں سمندر میں سفر کرنا جائز ہے جبکہ خوف نہ ہو۔

(24) اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ بھول جانے والے شخص کا اس کے نسیان کی بناء پر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوئی مواخذہ نہیں اور اس کی دلیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ ''جو میں بھول گیا اس پر مجھے نہ پکڑیں۔'' (الکہف:73)

(25) انسان کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے اخلاق اور معاملات میں عفو سے کام لے۔ ان کے ساتھ نرم رویہ رکھے۔ ان کو ایسے امور کا مکلف نہ کرے جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے یا ان پر شاق گزرتے ہوں یا ایسا کرنا ان پر ظلم کا باعث ہو کیونکہ یہ چیز نفرت اور اکتاہٹ کا باعث بنتی ہے بلکہ وہ طریقہ اختیار کرے جو آسان ہوتا کہ اس کا کام آسان ہو جائے۔

(26) تمام امور میں ان کے ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے مال اور خون وغیرہ کے دنیاوی معاملات میں ان کے ظاہر کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے اس لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے خضر کے کشتی میں سوراخ کرنے اور بچے کے قتل کرنے پر نکیر فرمائی کیونکہ یہ دونوں ایسے امور ہیں جو بظاہر منکر ہیں۔ جناب خضر کی مصاحبت کے علاوہ کوئی اور صورت حال ہوتی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس پر عام معاملات کے مطابق حکم لگانے میں جلدی کی اور اس عارض کی طرف التفات نہ کیا جو آپ پر صبر اور انکار میں عدم عجلت کو واجب کرتا ہے۔

(27) اس قصے سے ایک نہایت جلیل القدر قاعدہ مستنبط ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ''چھوٹی برائی کے ارتکاب کے ذریعے سے بڑی برائی کا سدباب کیا جائے'' اور چھوٹی مصلحت کو ضائع کر کے بڑی مصلحت کی رعایت رکھی جائے۔ معصوم بچے کا قتل یقیناً بہت بڑی برائی ہے۔ مگر اس کے زندہ رہنے سے ماں باپ کا دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہونا زیادہ بڑی برائی ہے، بچہ کا قتل نہ ہونا اور اس کا باقی رہنا اگرچہ بظاہر نیکی ہے مگر اس کے والدین کے دین و ایمان کا باقی رہنا زیادہ بڑی نیکی ہے۔ اسی وجہ سے خضر علیہ السلام نے اس بچے کو قتل کیا تھا۔ بظاہر بچے کو قتل کیا تھا۔ اس قاعدے کے بہت فوائد اور بہت سے فروع ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ پس تمام مصالح اور مفاسد جو ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔

(28) اس واقعے سے ایک اور جلیل القدر قاعدہ مستنبط ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ کسی شخص کے مال میں دوسرے شخص کا ایسا عمل جو کسی مصلحت یا ازالہ مفسدہ کی خاطر ہو وہ جائز ہے، خواہ وہ بغیر اجازت ہی کیوں نہ ہو، خواہ اس سے کسی کے مال میں کچھ اتلاف ہی کیوں نہ واقع ہو۔ جیسے جناب خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر کے اس میں عیب ڈال دیا تھا اس طرح وہ اس ظالم بادشاہ کے ہاتھوں غصب ہونے سے بچ گئی۔ اسی طرح کسی شخص کے گھر یا مال کے ڈوبنے یا آگ لگنے کی صورت میں کچھ مال کو تلف کر کے باقی مال کو بچانے کے لیے ایسا کرنا مشروع ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی ظالم شخص کسی دوسرے کے مال کو غصب کرنا چاہتا ہے، کوئی دوسرا شخص جو مال کا مالک نہیں، اصل مالک کی اجازت کے

بغیر، مال کا کچھ حصہ ظالم اور غاصب شخص کو دے کر باقی مال کو بچالے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

(29) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سمندر میں کام کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح خشکی میں۔ ارشاد فرمایا: ﴿يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ ''جو سمندر میں کام کرتے تھے۔'' (سورہ الکھف:79) اور یہ فرمانے کے بعد ان کے عمل پر نکیر نہیں فرمائی۔

(30) کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ مسکین کچھ مال رکھتا ہے مگر وہ اس کے لیے کافی نہیں ہوتا اس لیے وہ مسکین کے نام کے اطلاق سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان مساکین کے پاس ایک کشتی تھی۔

(31) اس واقعے سے مستفاد ہوتا ہے کہ قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ اس بچے کے قتل کے بارے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا﴾ ''آپ نے ایک بہت برا کام کیا۔'' (الکھف:74)

(32) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصاص کے طور پر قتل کرنا برائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ ''بغیر کسی جان کے۔'' (الکھف:74)

(33) اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی جان اور مال کی حفاظت کرتا ہے۔

(34) اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ صالحین یا ان کے متعلقین کی خدمت کرنا کسی اور کی خدمت کرنے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان یتیموں کے مدفون خزانے کو باہر نکالنے اور پھر ان کی دیوار تعمیر کر دینے میں علت بیان فرمائی کہ ان کا باپ ایک صالح شخص تھا۔

(35) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں الفاظ استعمال کرتے وقت ادب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ چنانچہ جناب خضر نے کشتی کو عیب دار کرنے کے فعل کی اضافت اپنی طرف کی ﴿فَأَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾ ''میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں'' (الکھف:79) اور خیر کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی۔ ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ (الکھف:82) اور جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ (الشعراء:80) اور جنات نے کہا۔ ﴿وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ ''اور ہم نہیں جانتے کہ زمین پر رہنے والوں کے لیے کوئی برا ارادہ کیا گیا ہے۔ یا ان کے رب نے ان کے بارے میں کوئی اچھا ارادہ کیا ہے۔'' (الجن:10) حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہوتا ہے۔

(36) کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی بھی حال میں اپنے ساتھی سے علیحدہ ہو جائے۔ یا اس کی صحبت کو ترک کر دے جب تک کہ اس کی سرزنش نہ کرے اور اس کا عذر نہ سن لے۔ جیسا کہ سیدنا خضر نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا۔

(37) ان امور میں جو ناجائز نہیں ایک ساتھی کی دوسرے ساتھی سے موافقت کرنا مطلوب اور دوستی کی بقا کا سبب ہے۔ اسی طرح سے عدم موافقت رشتہ دوستی کے منقطع ہونے کا سبب ہے۔ (تفسیر سعدی:1548-1541)

رکوع نمبر 11

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا﴾

''اور وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اُس کا کچھ حال جلد ہی میں تمہارے سامنے پڑھ کر سناؤں گا'' (83)

سوال: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾ ''اور وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾ ''اور وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں'' ذوالقرنین کے لفظی معنی ہیں دو سینگوں والا یعنی وہ بادشاہ جو دو سینگوں والے کے نام سے مشہور تھا۔

(2) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تبع کے بارے میں، میں نہیں جانتا کہ آیا وہ نبی تھے یا نہیں اور (اسی طرح) ذوالقرنین کے بارے میں بھی میں نہیں جانتا کہ وہ نبی تھے یا نہیں اور (اسی طرح) میں حدود کے بارے میں بھی نہیں جانتا کہ وہ گناہ کرنے والے کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔'' (مستدرک حاکم: 104، تفسیر طبری: 23278)

(3) قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مقتدر اور نامور بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور منصف مزاج تھا۔ اس کی سلطنت خاصی وسیع تھی اور ذوالقرنین کے لغوی معنی تو ''دو سینگوں والا'' ہے مگر اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ فی الواقع اس کے سر پر دو سینگ تھے بلکہ اس لحاظ سے ذوالقرنین کہا جاتا تھا کہ اس کی سلطنت کا علاقہ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک مینڈھا ہو اور اس کے سر پر دو سینگ ہوں۔ آیت 86 میں الفاظ ﴿قلنا یذا القرنین﴾ سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ نبی بھی تھا لیکن اکثریت اس کی نبوت کی قائل نہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ اثبات انبیاء کے لیے کافی نہیں ہیں اس کی تائید میں قرآن سے کافی شواہد مل جاتے ہیں مثلاً سیدہ مریم نبیہ نہیں تھی تاہم فرشتہ یا فرشتے ان کے پاس آئے اور ہم کلام ہوئے۔ ام موسیٰ بھی نبیہ نہیں تھیں۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے بائبل کے مطالعہ کے بعد یہ تحقیق پیش کی کہ ذوالقرنین کا اطلاق ایرانی فرمانروا خورس پر ہی ہو سکتا ہے جس کا عروج 549 ق م کے قریب شروع ہوا اس نے چند سال کے عرصہ میں میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (اشیاء کوچک) کی سلطنتوں کو مسخر کرنے کے بعد 539 ق م میں بابل کو فتح کر لیا تھا جس کے بعد کوئی طاقت اس کی راہ میں مزاحم نہ رہی۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ سندھ اور سغد (موجودہ ترکستان) سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک اور دوسری طرف تھریس اور مقدونیہ تک وسیع ہو گیا تھا اور شمال میں اس کی سلطنت کو کاکیشیا (قفقاز) اور خوارزم تک پھیل گئی تھی۔ عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع فرمان تھی۔ اور صاحب تفسیر حقانی کی تحقیق یہ ہے کہ ذوالقرنین ایران کا نہیں بلکہ عرب کے کسی علاقے کا باشندہ

ہوسکتا ہے اور یمن کے حمیری خاندان کا بادشاہ تھا۔ دلیل یہ ہے کہ ذوالقرنین عربی لفظ ہے۔ فارسی یا ایرانی نہیں۔ علاوہ ازیں یمن کے بادشاہ زمانہ قدیم میں ذو کے ساتھ ملقب ہوا کرتے تھے جیسے ذونواس ، ذوالنون ، ذورعین ، ذویزن وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی ذوالقرنین بھی ہے۔ ابوریحان البیرونی اس کا نام ابوکرب بن عیر بن افریقس حمیری بتاتے ہیں۔ اس کا اصل نام صعب تھا اور یہ تبع اول کا بیٹا تھا اور یہی وہ ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار البرہنہ ، اس کے بعد اس کا بیٹا افریقس ، اس کے بعد اس کا بھائی ذوالاذعار تھا۔ (تیسیر القرآن:654,655/2)

(4) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ذوالقرنین نبی نہ تھے اور نہ فرشتہ بلکہ وہ ایک انسان تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو محبوب رکھا۔ (فتح الباری 295/6)

(5) یہاں ذوالقرنین سے کوئی بھی مراد ہو قرآن نے جس انداز سے اس کا ذکر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی عظیم الشان فتوحات اور عدل وانصاف کی وجہ سے نہ صرف عہد رسالت کے یہود کے درمیان ایک معروف شخصیت تھی بلکہ مشرکین عرب بھی اس کے حال سے واقف تھے کیونکہ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (کبیر) (تفسیر اشرف الحواشی:364/1)

(6) ﴿قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اُس کا کچھ حال جلد ہی میں تمہارے سامنے پڑھ کر سناؤں گا'' مکّہ کے کافروں نے اہل کتاب کے پاس قاصد بھیجے تھے کہ وہ ان سے ایسی باتیں پوچھ کر آئیں جن سے محمد ﷺ کا امتحان لیا جائے۔ اس کے جواب میں رب العزت نے ذوالقرنین کے بارے میں خبر دی کہ میں تمہیں اس کے ایسے واقعات سناؤں گا جن میں نصیحت اور عبرت ہے۔

﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا﴾

''یقیناً ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا اور ہم نے اُسے ہر چیز سے کچھ سامان دیا تھا'' (84)

سوال: ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا﴾ ''یقیناً ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا اور ہم نے اُسے ہر چیز سے کچھ سامان دیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ﴾ ''یقیناً ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا'' یعنی ہم نے ذوالقرنین کو بادشاہت عطا کی اور زمین کے کثیر حصے میں اس کے حکم کو نافذ کیا اور لوگوں کو اس کا پیروکار بنایا۔

(2) ﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا﴾ ''اور ہم نے اُسے ہر چیز سے کچھ سامان دیا تھا'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ہر قسم کے وسائل دیئے تھے جن کی وجہ سے ذوالقرنین فتوحات کے قابل ہوا۔ (i) سبب کے معانی رسی ہیں اس سے مراد ذریعہ اور وسیلہ بھی ہے۔ یہاں سبب سے مراد وہ ساز وسامان اور وسائل ہیں جن سے کام لے کر ذوالقرنین نے فتوحات حاصل کیں اور ظالم حکمرانوں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ (ii) سبب کے معانی راستے کے ہیں اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے وسائل سے مزید وسائل مہیا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے

اس کو وہ اسباب عطا کیے تھے جن کی وجہ سے وہ ہر اس مقام پر پہنچا جہاں وہ پہنچنا چاہتا تھا۔ جن کے ذریعے سے اس نے شہروں پر غلبہ حاصل کیا اور دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا۔ (3) ہر شخص کو اسباب مہیا نہیں ہوتے اور نہ ہر شخص اسباب مہیا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

(4) داخلی اور خارجی طور پر یہ اسباب نہایت قوی تھے جن کی بنا پر اس کے پاس ایک عظیم فوج تیار ہو گئی جو اپنی عددی قوت، سامان حرب اور نظم کے اعتبار سے ایک بہت بڑی فوج تھی۔ اس فوج کی مدد سے اس نے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا اور زمین کے مشرق و مغرب اور اس کے دور دراز گوشوں تک پہنچنے کی سہولت حاصل ہوئی۔ (تفسیر سعدی: 1549/2)

﴿فَأَتْبَعَ سَبَبًا﴾

''چنانچہ ذوالقرنین کچھ سامان لے کر چلا'' (85)

سوال: ﴿فَأَتْبَعَ سَبَبًا﴾ ''چنانچہ ذوالقرنین کچھ سامان لے کر چلا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَأَتْبَعَ سَبَبًا﴾ ''چنانچہ ذوالقرنین کچھ سامان لے کر چلا'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ایسے وسائل عطا کیے جن سے اُس نے مزید وسائل مہیا کیے جیسے لوہے سے مختلف ہتھیار اور دوسرے خام مواد سے بہت سی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔

(2) ذوالقرنین ایک راہ پر لگ گئے یعنی مشرق و مغرب کی درمیانی راہ پر ایک طرف کو چل پڑے یعنی مغرب کی سمت کو چل پڑے۔

(مختصر ابن کثیر: 1114/2) کیونکہ سبب کا ایک مطلب راستہ بھی ہے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا﴾

''یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے مقام تک جا پہنچا، اُس نے سورج کو پایا کہ وہ ایک دلدل والے چشمے میں ڈوب رہا ہے اور اُس کے پاس ایک قوم کو پایا۔ ہم نے کہا: ''اے ذوالقرنین! یا تم انہیں سزا دو یا ان کے بارے میں تم نیک سلوک اختیار کرو'' (86)

سوال 1: ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے مقام تک جا پہنچا، اُس نے سورج کو پایا کہ وہ ایک دلدل والے چشمے میں ڈوب رہا ہے اور اُس کے پاس ایک قوم کو پایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے مقام تک جا پہنچا'' ذوالقرنین زمین کی منزلیں اور نشانات طے کرتے ہوئے مغربی سمت چلتے رہے۔ چلتے چلتے انتہائے مغرب تک پہنچ گئے یعنی زمین کی مغربی سمت کی انتہا تک کیونکہ مغرب آسمان تک پہنچنا ناممکن ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1114/2)

(2)﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ ''اُس نے سورج کو پایا کہ وہ ایک دلدل والے چشمے میں ڈوب رہا ہے'' اس نے دیکھا کہ سورج بحر محیط میں ڈوب رہا ہے۔اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں آخری آبادی تھی۔وہاں گہرے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو سیاہ محسوس ہوتا تھا اور لگتا تھا کہ سورج اس میں غروب ہو رہا ہے۔

(3) ہر وہ شخص جو ساحل پر کھڑا ہو،سورج کو سمندر میں ڈوبتا دیکھے گا۔

(4)﴿عَيْنٍ﴾ سے مراد چشمہ یا سمندر ہے۔

(5)(i)اس سے مراد ایسا ساحل ہے جہاں کوئی دریا سمندر میں آکر گرتا تھا۔ایسے مقامات پر گھاس،کیچڑ اور سیاہ دلدل جمع ہو جاتی ہے۔ ایسے مقامات پر تالاب بھی ہوتے ہیں جو چشموں کی طرح نظر آتے ہیں۔(ii)اس سے مراد ایسا مقام ہے جہاں آخری آبادی تھی وہاں گہرے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو سیاہ محسوس ہوتا تھا اور لگتا تھا کہ سورج اس میں غروب ہو رہا ہے۔(iii) کہا یہ جاتا ہے کہ ذوالقرنین مغرب کی طرف فتوحات کرتے ہوئے ایشیا مائنر تک پہنچ گیا جہاں Agean Sea ایجین سمندر کا سیاہ پانی خشکی کو الگ کر رہا ہے۔یہاں کوئی سمندر کی طرف دیکھے تو اُسے یوں ہی لگتا ہے کہ سورج سیاہ پانی میں ڈوب رہا ہے۔یہ وہ مقام تھا جہاں تک ذوالقرنین پہنچا۔

(6)﴿وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا﴾ ''اور اُس کے پاس ایک قوم کو پایا'' مغرب کی سمت میں ذوالقرنین نے ایک قوم دیکھی یعنی آباد شہر پایا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے۔اگر شہر کے باشندوں کا شور وغوغا نہ ہوتا تو لوگ سورج ڈوبتے وقت اس کے ڈوبنے کی آواز سن لیتے۔بنی نوع انسان کی یہ ایک عظیم قوم تھی۔ہم نے ذوالقرنین کو اس قوم پر غالب کیا۔ان کا بادشاہ بنایا۔ذوالقرنین کو فتح دی اور انہیں اختیار دیا کہ اگر چاہو تو قتل اور گرفتار کرو۔چاہو تو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔(مختصر ابن کثیر:2/1114)

سوال2:﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ ''ہم نے کہا:''اے ذوالقرنین! یا تم انہیں سزا دو یا ان کے بارے میں تم نیک سلوک اختیار کرو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُلْنَا﴾ سے بعض علماء نے ذوالقرنین کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔

(2) کچھ لوگوں کا خیال کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے ذوالقرنین سے کہا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو اختیار دیا کہ ﴿اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ﴾ ''یا تم انہیں سزا دو'' یعنی خواہ انہیں قتل کرو،قیدی بنا لو،عذاب میں مبتلا کرو۔

(4)﴿وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ ''یا ان کے بارے میں تم نیک سلوک اختیار کرو'' یعنی اگر چاہو تو احسان کرو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

سوال3: ذوالقرنین کو دو امور میں سے ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار دینے میں کیا حکمت تھی؟

جواب:(1) ذوالقرنین کو دو امور میں سے ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار اس لئے دیا گیا کہ وہ کفار یا فساق کی قوم تھی۔

(2) اگر وہ غیر فاسق مومن ہوتے تو ان کو عذاب دینے کی اجازت نہ دی جاتی۔

(3) ذوالقرنین کو سیاست شرعیہ کا کچھ حصہ ملا تھا جس کے ذریعے سے اس نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایسے کام کیے جن پر وہ مدح وستائش کا مستحق ٹھہرا چنانچہ اس نے کہا کہ میں ان کو دو قسموں میں تقسیم کروں گا۔ (تفسیر سعدی: 1550/2)

(4) یعنی عدل کروں گا ہر ایک کو اس کے طرز عمل کے مطابق بدلہ دوں گا۔

﴿قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا﴾

''ذوالقرنین نے کہا: ''جس نے ظلم کیا تو ہم جلد ہی اُسے سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا،

تو وہ اُسے عذاب دے گا، برا عذاب'' (87)

سوال 1: ﴿قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا﴾ ''ذوالقرنین نے کہا: ''جس نے ظلم کیا تو ہم جلد ہی اُسے سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا، تو وہ اُسے عذاب دے گا، برا عذاب'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''ذوالقرنین نے کہا'' ذوالقرنین نے اپنے خاص لوگوں سے کہا۔

(2) ﴿اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ﴾ ''جس نے ظلم کیا'' یعنی جس نے کفر کیا یا اپنے رب سے شرک کیا۔

(3) ﴿فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ﴾ ''تو ہم جلد ہی اُسے سزا دیں گے'' یعنی وہ قتل کر دیا جائے گا۔ (جامع البیان: 20/16)

(4) ﴿ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا﴾ ''پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا، تو وہ اُسے عذاب دے گا، برا عذاب'' پھر جب وہ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے تو وہ انہیں عذاب عظیم دے گا اور وہ نکر ہے اور وہ جہنم کا عذاب ہے۔ (جامع البیان: 20/16)

(5) ذوالقرنین نے واضح کیا کہ کافروں اور مشرکوں کو دو سزائیں ملیں گی ایک سزا دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔

سوال 2: ذوالقرنین نے اپنی حکومت کا منشور دیا جو ایک صالح حکومت کا منشور ہے، اس کو مختصراً بیان کریں؟

جواب: (1) ذوالقرنین نے اپنی حکومت کا منشور دینے کے بعد واضح کیا کہ سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ نہیں ہوگا۔ صالح افراد کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ظالموں کی پکڑ دھکڑ اور سزا کا سلسلہ جاری ہوگا۔

(2) ایک صالح حکومت کا منشور: (i) صالح افراد کی حوصلہ افزائی اُن کے لیے سہولت اور اچھی جزا۔ (ii) ظالموں اور حد سے گزرنے والوں پر سختی اُن کی پکڑ دھکڑ اور سزا کا سلسلہ جاری ہوگا۔

(3) صالح حکومت کے منشور کی وجہ سے معاشرے کے نیک افراد کی حوصلہ افزائی اور احسان کا بدلہ احسان سے ملے اور مجرموں اور ظالموں کی بے عزتی ہو اور انہیں سزا ملے تو عام افراد کا میلان اصلاح کی طرف ہو جاتا ہے۔

(4) جس حکومت میں چور، ڈاکو اور ظالم راہ پالیں اور ان کی عزت ہو اور حاکموں کے قریب ہوں تو صالح لوگوں کے خلاف حکومت اعلان

جنگ کر دیتی ہے اور ان کی بیخ کنی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ ایسی حکومت اور عوام کا میلان فساد کی طرف ہو جاتا ہے اور معاشرے میں برائی نیکی پر غالب آجاتی ہے۔

﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا﴾

”اور ہاں وہ جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے اچھی جزا ہے اور ہم جلد ہی اس کے لئے اپنے کام میں آسانی کا حکم دیں گے“ (88)

سوال 1: ﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى﴾ ”اور ہاں وہ جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے اچھی جزا ہے“ آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ﴾ ”اور ہاں وہ جو ایمان لایا“ ذوالقرنین نے کہا جس نے ہماری بات مان لی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔

(2) ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ”اور اُس نے نیک عمل کیے“ یعنی اس نے توحید اختیار کرلی اور نیک اعمال کرتا رہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا رہا۔

(3) ﴿فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى﴾ ”تو اس کے لیے اچھی جزا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اچھا بدلہ ہے اور وہ جنت ہے۔ جزا یعنی ایمان لانے اور اپنے رب کی اطاعت کرنے پر ثواب ہے۔ (جامع البیان: 20/16)

(4) ذوالقرنین نے کہا کہ ہم بھی اسے اپنے کاموں میں سہولت دیں گے۔ اس سے مراد ان کے ساتھ بہتر سلوک، ان کی عزت، اُن کی مدد اور اُن کے لیے آسانیاں ہیں۔

سوال 2: ﴿وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا﴾ ”اور ہم جلد ہی اس کے لئے اپنے کام میں آسانی کا حکم دیں گے“ آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا﴾ ”اور ہم جلد ہی اس کے لئے اپنے کام میں آسانی کا حکم دیں گے“ یعنی ہم اس سے اچھا سلوک کریں گے۔ ہم اس سے نرم بات اور آسان معاملہ کریں گے۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ذوالقرنین نیک بادشاہوں، اولیا کے صالحین اور عدل کرنے والوں میں سے تھا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی موافقت کرتے ہوئے ہر شخص کے ساتھ وہی معاملہ کیا جس کے وہ لائق تھا۔ (تفسیر سعدی: 1550/2)

﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾

”پھر وہ کچھ سامان کے ساتھ چلا“ (89)

سوال:﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ ''پھر وہ کچھ سامان کے ساتھ چلا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ ''پھر وہ کچھ سامان کے ساتھ چلا'' یہ ذوالقرنین کی دوسری مہم تھی جو کہ مغرب سے مشرق کی طرف تھی۔

(2) راستے میں جو بھی قوم پڑی اس کو زیر کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، انہیں توحید کی دعوت بھی دیتے جاتے تھے۔ اگر کوئی دعوت توحید قبول کر لیتا تو خیر ورنہ انہیں ذلیل وخوار کرتے، ان کا مال اور تمام سامان لوٹ لیتے اور ان سے لشکر کی خدمت اور سامان رسد فراہم کرتے تاکہ آنے والی قوم کی سرکوبی کی جاسکے۔ (مختصر ابن کثیر:1115/2)

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾

''حتیٰ کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک پہنچا تو اس نے اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا
جس کے لیے ہم نے سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں بنایا'' (90)

سوال:﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾ ''حتیٰ کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک پہنچا تو اس نے اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا جس کے لیے ہم نے سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں بنایا تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ﴾ ''حتیٰ کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک پہنچا'' یعنی جب وہ دنیا کی انتہائی مشرقی سمت پہنچے۔

(2)﴿وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾ ''تو اس نے اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا جس کے لیے ہم نے سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں بنایا تھا'' مشرق کی جانب ذوالقرنین نے ایسی قوم دیکھی جو گھروں میں رہنے کی بجائے میدانوں اور صحراؤں میں رہتی تھی۔

(3) یعنی وہ وحشی اور غالباً خانہ بدوش قوم مکان ولباس وغیرہ کی صنعتوں سے نا آشنا تھی۔ دھوپ سے بچنے کو نہ مکان تھا، نہ کپڑا۔ (تفسیر ماجدی:156/3)

(4) اس سے مراد یہ ہے کہ قوم لباس سے بھی آزاد تھی اور گھروں میں بھی نہیں رہتی تھی۔ سورج اور ان کے درمیان آڑ نہیں تھی یعنی سورج ان کے ننگے جسموں پر طلوع ہوتا تھا۔

(5) ان کے قد پست، رنگ سرخ اور گھر غار تھے اور عام خوراک مچھلی تھی۔ (مختصر ابن کثیر:1115/2)

﴿كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾

''ایسے ہی تھا اور ذوالقرنین کے پاس جو بھی تھا ہم نے اُس کا علم سے احاطہ کر رکھا تھا'' (91)

سوال:﴿كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾ ”ایسے ہی تھا اور ذوالقرنین کے پاس جو بھی تھا ہم نے اُس کا علم سے احاطہ کر رکھا تھا“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَذٰلِكَ﴾ ”ایسے ہی تھا“ یعنی واقعہ ایسا ہی ہوا۔

(2)﴿وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾ ”اور ذوالقرنین کے پاس جو بھی تھا ہم نے اُس کا علم سے احاطہ کر رکھا تھا“ ہمیں ذوالقرنین کی تمام باتوں کا علم ہے، ہم اس کے اور اس کے لشکریوں کے تمام حالات سے خبردار ہیں، ہم سے ان کی کوئی بات بھی چھپی نہیں ہوئی تھی۔ خواہ کتنا ہی لشکر اور جگہ جگہ زمین پر پھیلا ہوا ہی کیوں نہ ہو، رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس سے کچھ بھی چھپا نہیں رہتا۔“ (آل عمران:5)

(3) یعنی ذوالقرنین کے پاس جو بھلائی اور عظیم اسباب تھے اور جہاں کہیں وہ جاتا تھا سب اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔

﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾

”پھر وہ کچھ سامان لے کر چلا“ (92)

سوال:﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ ”پھر وہ کچھ سامان لے کر چلا“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ ”پھر وہ کچھ سامان لے کر چلا“ اس سے مراد یہ ہے کہ اب اس کا رُخ کسی اور طرف ہو گیا۔

(2) اس سے مراد ذوالقرنین کی تیسری مہم ہے۔

(3) یہ مشرق اور مغرب کے درمیان مشرق سے شمال کی طرف گیا۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾

”حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچا تو اس نے ان دونوں سے اُس طرف ایک قوم دیکھی جو قریب نہیں تھے کہ وہ کوئی بات سمجھیں“ (93)

سوال:﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾ ”حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچا تو اس نے ان دونوں سے اُس طرف ایک قوم دیکھی جو قریب نہیں تھے کہ وہ کوئی بات سمجھیں“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ﴾ ”حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچا“ اصحاب تفسیر کہتے ہیں کہ وہ مشرق سے شمال کی طرف روانہ ہوا اور دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا اور یہ دونوں اس زمانے میں معروف تھے۔ یہ دائیں بائیں دو بندوں کی مانند

دو پہاڑی سلسلے تھے اور دونوں پہاڑ یاجوج وماجوج اور لوگوں کے درمیان رکاوٹ تھے۔ (تفسیر سعدی: 155/2)

(2) اس سے مراد وہ گھاٹی تھی جو دونوں پہاڑوں کے درمیان تھی۔

(3) ﴿وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا﴾ ''تو اس نے ان دونوں سے اُس طرف ایک قوم دیکھی'' (i) تیسری مہم میں ذوالقرنین کو ایسے لوگ ملے جو وحشی قسم کے تھے۔ (ii) جن کا دوسری قوموں سے میل جول نہیں تھا۔ (iii) جو اپنی زبان کے ماسوا کوئی زبان سمجھ نہیں پاتے تھے۔

(4) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذوالقرنین کو ایسے علمی اسباب مہیا کر رکھے تھے جن کی بنا پر وہ اجنبی قوم کی زبان سمجھ سکتا تھا، ان سے بات چیت کر سکتا تھا اور وہ اس سے بات کر سکتے تھے۔ (تفسیر سعدی: 1552)

﴿قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾

''ان لوگوں نے کہا: ''اے ذوالقرنین! یقیناً یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں پھر کیا ہم آپ کے لیے کوئی آمدنی طے کریں کہ آپ اُن کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟'' (94)

سوال: ﴿قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾ ''ان لوگوں نے کہا: ''اے ذوالقرنین! یقیناً یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں پھر کیا ہم آپ کے لیے کوئی آمدنی طے کریں کہ آپ اُن کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ﴾ ''ان لوگوں نے کہا: ''اے ذوالقرنین!'' جو لوگ کوئی اور زبان نہیں سمجھتے تھے اُنہوں نے ذوالقرنین سے کیسے بات کی ہوگی؟ (i) ہو سکتا ہے کہ اس بات چیت کے لیے کسی ترجمان کی خدمات لی گئی ہوں۔ (ii) ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو جو خصوصی وسائل عطا کیے تھے ان میں مختلف زبانوں کا علم بھی ہو۔

(2) ان لوگوں نے ذوالقرنین کے پاس شکایت کرتے ہوئے کہا۔

(3) ﴿اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ﴾ ''یقیناً یاجوج اور ماجوج'' یاجوج ماجوج آدم علیہ السلام کی نسل کے دو بڑے گروہ تھے۔ (i) یاجوج ماجوج دو قومیں ہیں۔ (ii) ان کی تعداد دوسری انسانی نسلوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگی۔ (iii) یاجوج ماجوج سے جہنم کو بھرا جائے گا۔

(4) ﴿مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں۔'' یعنی وہ قتل وغارت گری اور لوٹ مار کے ذریعے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

(5) ﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾ ''پھر کیا ہم آپ کے لیے کوئی آمدنی طے کریں کہ آپ اُن

کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟'' (i) وحشی قوم نے جب یہ دیکھا کہ ذوالقرنین فاتح ہے اور قوت اور ٹیکنالوجی سے واقف ہے تو اُنہوں نے درخواست کی کہ یاجوج ماجوج کے حملوں سے بچنے کے لیے بند تعمیر کردے۔(ii) وہ خود یہ بند تعمیر نہیں کرسکتے تھے اور نہ وہ فساد کا دفاع کرنے کی اہلیت رکھتے تھے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ٹیکس دے کر غارت گرانہ حملوں سے بچ سکیں۔

(6) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہ بند بنانے پر خود قدرت نہ رکھتے تھے اور انہیں علم تھا کہ ذوالقرنین یہ دیوار تعمیر کرواسکتا ہے پس انہوں نے ذوالقرنین کو اجرت دینے کی پیشکش کی تاکہ وہ ان کے لئے دیوار تعمیر کروادے اور انہوں نے ذوالقرنین کو وہ سبب بھی بتادیا جو دیوار تعمیر کرنے کا داعی تھا۔ اور وہ تھا یاجوج ماجوج کا ان کے علاقے میں مار دھاڑ کرنا اور فساد پھیلانا۔(تفسیر سعدی:1552/2)

﴿قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾

''ذوالقرنین نے کہا: ''جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہی بہتر ہے، چنانچہ تم اپنی قوت سے میری مدد کرو میں اُن کے اور تمہارے درمیان ایک مضبوط بند بنادوں گا'' (95)

سوال: ﴿قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ ''ذوالقرنین نے کہا: ''جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہی بہتر ہے، چنانچہ تم اپنی قوت سے میری مدد کرو میں اُن کے اور تمہارے درمیان ایک مضبوط بند بنادوں گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''ذوالقرنین نے کہا'' ذوالقرنین نے جواب دیا۔

(2) ﴿مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ﴾ ''جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہی بہتر ہے'' یعنی میرے رب جو بھلائی مجھے عطا کی وہ اس سے بہتر ہے جو تم مجھے دینا چاہتے ہو۔

(3) (i) ذوالقرنین نے رب کے دیئے ہوئے کو اپنے لیے کافی قرار دیا۔(ii) ذوالقرنین نے اپنی حکومت کے مقاصد کا اعلان کیا تھا کہ زمین سے ظلم اور فساد کو ختم کردینا چاہتے ہیں چنانچہ اسی مقصد کی خاطر اس نے بلا معاوضہ بند بنا کر دینا منظور کرلیا۔

(4) ﴿فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ﴾ ''چنانچہ تم اپنی قوت سے میری مدد کرو'' ذوالقرنین نے ماہرین، مزدوروں اور کام کرنے والوں اور تعمیراتی سامان کا مطالبہ کیا تھا جیسا کہ سلیمان علیہ السلام فرمایا:

(5) ﴿فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ﴾ ''سو جب وہ سلیمان کے پاس آیا تو اُس نے کہا: ''کیا میری مدد تم لوگ مال سے کرنا چاہتے ہو؟ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے وہ اُس سے بہتر ہے جو اُس نے تمہیں دیا ہے بلکہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو۔(النمل:36)

(6) یعنی میں چاہتا ہوں کہ تم افرادی قوت، تعمیری چیزوں اور محنت مزدوری کے ذریعے میری مدد کرو۔﴿أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾

''میں اُن کے اور تمہارے درمیان ایک مضبوط بند بنا دوں گا'' میں تمہارے لئے دیوار بنوا دوں گا یعنی ایسی رکاوٹ جس کو عبور کر کے وہ تم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔

﴿اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا﴾

''میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ'' یہاں تک کہ جب اس نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصے کو برابر کر دیا تو کہا:

''دھونکو'' یہاں تک کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا تو کہا: ''مجھے لا کر دو کہ اس پر میں پگھلا ہوا تانبا انڈیل دوں'' (96)

سوال: ﴿اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا﴾ ''میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ'' یہاں تک کہ جب اس نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصے کو برابر کر دیا تو کہا: ''دھونکو'' یہاں تک کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا تو کہا: ''مجھے لا کر دو کہ اس پر میں پگھلا ہوا تانبا انڈیل دوں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ﴾ ''میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ'' ذوالقرنین نے کہا کہ تم میرے لئے لوہے کی چادریں لے آؤ تو وہ لوگ لوہے کے بڑے بڑے تختے لے آئے۔

(2) ﴿حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ﴾ ''یہاں تک کہ جب اس نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصے کو برابر کر دیا'' پھر جب ذوالقرنین نے لوہے کی دیوار چنوائی۔ اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان کا خلا تھا جسے لوہے کی چادروں سے پُر کر دیا گیا۔ جب یہ دیوار طول و عرض میں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ گئی۔

(3) ﴿قَالَ انۡفُخُوۡا حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا﴾ ''تو کہا: ''دھونکو'' یہاں تک کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا'' یعنی بہت بڑا الاؤ جلاؤ۔ اس کے لئے بڑی بڑی دھونکنی استعمال کرو تاکہ آگ کی تپش بہت شدید ہو جائے اور تانبا اچھی طرح پگھل جائے۔ جب تانبا پگھل گیا جس کو وہ فولاد کے تختوں کے درمیان ڈالنا چاہتا تھا۔ (تفسیر سعدی: 1552/2)

(4) ﴿قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا﴾ ''تو کہا: ''مجھے لا کر دو کہ اس پر میں پگھلا ہوا تانبا انڈیل دوں۔'' (i) ذوالقرنین نے بند کو مضبوط کرنے کے لیے لوہے کے اندر خاص مقدار میں تانبا ملایا۔ (ii) یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ذوالقرنین کو سکھایا پھر اپنی کتاب میں بتایا۔ ذوالقرنین نے پگھلا ہوا تانبہ دیوار پر ڈالا جس سے دیوار بہت مضبوط ہو گئی یوں دیوار سے ادھر والے لوگ یاجوج اور ماجوج کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہو گئے۔ (تفسیر سعدی: 1552/2)

﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾

''پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ وہ اس پر چڑھیں اور نہ وہ اس میں سوراخ کر سکے'' (97)

سوال: ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ ''پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ وہ اس پر چڑھیں اور نہ وہ اس میں سوراخ کر سکے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾ ''پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ وہ اس پر چڑھیں'' یاجوج ماجوج کے لیے پہاڑی درّے پر باندھے جانے والے بند کی وجہ سے انسانی آبادیوں میں آنا اور پس ماندہ قوم پر غلبہ پانا ممکن نہ رہا۔

(2) یعنی وہ اس دیوار پر چڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے کیونکہ یہ بہت بلند تھی۔

(3) ﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ ''اور نہ وہ اس میں سوراخ کر سکے'' یہ مضبوط بند کی وجہ سے ہوا جو لوہے اور پیتل کو پگھلا کر بنایا گیا تھا۔ اس میں سوراخ کرنا ممکن نہ رہا تھا۔

(4) بعض روایات کے مطابق یہ دیوار 50 میل لمبی 29 فٹ اونچی اور 10 فٹ چوڑی تھی اور اس دیوار کا فائدہ بھی اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ اس کی بلندی بھی کم از کم دونوں اطراف کی بلندی کے برابر تو ہو۔ اتنی بلندی کی وجہ سے اس کے اوپر چڑھا بھی نہ جا سکتا تھا اور لوہے کی تعمیر شدہ دیوار ہونے کی وجہ سے اس میں شگاف بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ جب یہ دیوار تعمیر ہو گئی تو ذوالقرنین نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا۔ جس نے یہ دیوار بنانے اور لوگوں کو آئے دن کی پریشانی سے نجات دلانے کی توفیق بخشی مگر ساتھ ہی لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ یہ دیوار اگرچہ بہت مضبوط اور مستحکم ہے مگر یہ لازوال نہیں جو چیز بھی بنی ہے بالآخر فنا ہونے والی ہے۔ (تیسیر القرآن: 659/2)

﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾

''ذوالقرنین نے کہا: ''یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے، چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے'' (98)

سوال 1: ﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾ ''ذوالقرنین نے کہا: ''یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے، چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ''ذوالقرنین نے کہا: ''یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے'' ذوالقرنین نے دیوار بنانے کے بعد لوگوں سے کہا: یہ میرے رب کی لوگوں پر عظیم رحمت ہے کہ اس نے ان کے اور ان کے دشمنوں یعنی یاجوج ماجوج کے درمیان رکاوٹ

پیدا کر دی۔ اب وہ فساد پھیلانے کے لئے دیوار کی اس جانب نہیں آسکتے۔

(2) ذوالقرنین نے علم اور ٹیکنالوجی پر غرور نہیں کیا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جس رب نے توفیق دی تھی اُس نے اس کو اسی کی طرف لوٹا دیا۔ اُس نے اپنی قوت کی بجائے رب کی قوت کی طرف رجوع کیا۔ اُس نے اپنے کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کیے اور قیامت کے دن کو یاد کیا جب سب ریزہ ریزہ ہو جائے گا لہٰذا اُسے اس کام میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

(3) یہ صالح خلفاء کا حال ہے، جب اللہ تعالیٰ انہیں جلیل القدر نعمتوں سے نوازتا ہے تو ان کے شکر، اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اقرار اور اعتراف میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ سیدنا سلمان علیہ السلام نے کیا تھا جب اتنی دور سے ملکہ سبا کا تخت ان کی خدمت میں حاضر کیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اقرار کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا ﴿هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ ۟ۖ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡکُرُ اَمۡ اَکۡفُرُ﴾ "یہ میرے رب کے فضل میں سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟" اس کے برعکس جابر، متکبر اور زمین پر عام غالب لوگوں کو بڑی بڑی نعمتیں اور زیادہ متکبر اور مغرور بنا دیتی ہیں جیسا کہ قارون، جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت اٹھاتی تھی، کہا تھا: ﴿اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُهٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ﴾ "بلاشبہ یہ مجھے ایک علم کی بنا پر ہی دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔" (القصص:5)

(4) ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ﴾ "چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا" رب کے وعدے سے مراد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کا ظہور ہے۔ (i) صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تھوڑے سے سوراخ کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر کیا۔ (بخاری:3168) (ii) یاجوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں اور کل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی کہ وہ نکل آئیں تو پھر وہ ان شاء اللہ کہہ کر کھو دیں گے پھر وہ اس سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ زمین میں فساد پھیلائیں گے۔ قلعہ بند ہو جائیں گے۔ آسمانوں پر تیر پھینکیں گے اور وہ خون آلود ہو جائیں گے۔ بالآخر اُن کی گدیوں پر ایسا کیڑا پیدا ہوگا۔ جس سے وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ (ترمذی:3153/ صحیحہ البانی:1735)

(5) سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یاجوج ماجوج کا ظہور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہوگا۔ (مسلم)

(6) سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور ہم باہم گفتگو کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم کس بات کا تذکرہ کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہرگز قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تم اس سے پہلے دس علامات دیکھ لو گے۔ پھر دھوئیں، دجال، دابۃ الارض، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے اور سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نازل ہونے اور یاجوج وماجوج اور تین جگہوں کے دھنسنے، ایک دھنسنا مشرق میں اور ایک دھنسنا مغرب میں اور ایک دھنسنا جزیرۃ العرب میں ہونے اور آخر میں یمن سے آگ نکلنے کا ذکر فرمایا، جو لوگوں کو جمع ہونے کی جگہ کی طرف لے جائے گی۔ (مسلم)

(7) ﴿حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَاقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبۡصَارُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ یٰوَیۡلَنَا قَدۡ کُنَّا فِیۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۹۷﴾﴾ حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیے

جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑ پڑیں گے۔ اور وہ سچا وعدہ قریب آ جائے گا اچانک ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جنہوں نے کفر کیا، ہائے ہماری بربادی! یقیناً ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی ظالم تھے۔ (الانبیاء:96,97)

(8) ﴿جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ ''تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا'' یعنی اس مضبوط اور مستحکم دیوار کو گرا کر منہدم کر دے گا اور وہ زمین کے ساتھ برابر ہو جائے گی۔ (تفسیر سعدی:1553/2)

(9) ﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾ ''اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے۔'' یعنی جب میرے رب کا سچا وعدہ آئے گا تو وہ اسے زمین دوز بنا دے گا۔ (مختصر ابن کثیر:1117/2)

سوال 2: ذوالقرنین کے کیا خصائل ہیں؟

جواب: اس آیت پر ذوالقرنین کا ان لوگوں سے خطاب بھی ختم ہو جاتا ہے اور قصہ ذوالقرنین بھی۔ اس میں محض کفار مکہ کے سوال کا جواب ہی نہیں دیا گیا بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین ایک بہت بڑا فاتح اور شان و شوکت والا بادشاہ ہونے کے باوجود توحید اور آخرت کا قائل تھا۔ عدل و انصاف کے علاوہ فیاضی سے کام لیتا تھا۔ نرمی کا برتاؤ کرتا تھا، تمہاری طرح کم ظرف نہ تھا کہ معمولی قسم کی سرداریاں پا کر اکڑ بیٹھے ہو اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہو۔ (تیسیر القرآن:659/2)

سوال 3: سد ذوالقرنین کہاں واقع ہے؟

جواب: رہی یہ بات کہ سد ذوالقرنین کہاں واقع ہے؟ تو اس میں بھی اختلاف ہے کیونکہ آج تک ایسی پانچ دیواریں واقع ہو چکی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف ادوار میں جنگجو قوموں کے حملہ سے بچاؤ کی خاطر بنوائی تھیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور دیوار چین ہے۔ یہ دیوار سب سے زیادہ لمبی ہے اور اس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے لے کر پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے۔ یہ دیوار عجائب روز میں شامل ہوتی ہے اور اب تک موجود ہے اور اسے چی وانگئی فغفور چین نے اندازاً 235 ق م میں تعمیر کروایا تھا اور سد ذوالقرنین وہ دیوار ہے جو جبل الطائی کے کسی درہ کو کیے ہوئے ہے جس کا ابن خلدون نے بھی ذکر کیا ہے اور اکثر مورخین اسلام اس کو سد یاجوج بھی کہتے ہیں جبل الطائی منچوریا اور منگولیا میں حائل ہے اور اسی پہاڑ کے بیچ میں ایک درہ کشادہ تھا جہاں یاجوج ماجوج کی قومیں حملہ آور ہوتی تھیں۔ اس درے کو ذوالقرنین حمیری بادشاہ نے بند کروایا تھا اور یہ دیوار اب تک موجود ہے۔ (تیسیر القرآن:656/2)

سوال 4: یاجوج ماجوج کے بارے میں نبی ﷺ نے کیا راہ نمائی فرمائی ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک یاجوج اور ماجوج ہر روز کھودتے ہیں (اس میں سوراخ کرنا چاہتے ہیں) جب قریب ہوتا کہ سورج کی روشنی ان کو دکھائی دے۔ (اس قدر پتلی تہہ دیوار کی رہ جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یاجوج اور ماجوج ظلمات میں ہیں اور سورج کی روشنی سد کی وجہ سے ان تک نہیں پہنچتی) تو جو شخص ان کا سردار ہوتا ہے وہ کہتا ہے اب گھر چلو آ کر

کھودیں گے پھر اللہ تعالیٰ رات کو ویسا ہی مضبوط کر دیتا جیسے وہ تھے جب ان کے نکلنے کا وقت آئے گا اور اللہ تعالیٰ یہ چاہے گا کہ ان کو لوگوں پر چھوڑ دے۔لوگوں پر تو وہ (عادت کے موافق) سد کو کھودیں گے جب قریب ہوگا کہ سورج کی روشنی دیکھیں اس وقت ان کا سردار کہے گا اب لوٹ چلو کل اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو کھود ڈالو گے اور ان شاء اللہ کا لفظ کہیں گے۔اس دن وہ لوٹ کر جائیں گے اور اسی حال پر رہے گی جیسے وہ چھوڑ جائیں گے (درست نہ ہوگی) آخر وہ اس کو کھود کر نکل آئیں گے اور پانی سب پی جائیں گے اور لوگ ان سے بھاگ کر اپنے قلعوں میں چلے جائیں گے وہ اپنے تیر آسمان کی طرف ماریں گے تیر خون میں لپٹے ہوئے اوپر سے لوٹیں گے (بحکم الٰہی وہ کہیں گے ہم نے زمین والوں کو تو مغلوب کیا اور آسمان والوں پر بھی غالب ہوئے پھر اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا وہ ان کو مار ڈالے گا۔نبی ﷺ نے فرمایا؛قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک زمین کے جانور (چار پایہ) موٹے ہو جائیں گے اور چربی دار،ان کے گوشت کھا کر۔(ابن ماجہ:4080)

(2) زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گھبرائے ہوئے داخل ہوئے،آپ فرما رہے تھے کہ تباہی ہے عربوں کے لئے اس برائی سے جو قریب آچکی ہے۔آج یاجوج وماجوج کی دیوار سے اتنا کھل گیا ہے اور آپ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے قریب والی انگلی کو ملا کو ایک حلقہ بنایا۔اتنا سن کر زینب بنت جحش نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تو کیا ہم اس کے باوجود ہلاک ہو جائیں گے کہ ہم میں نیک،صالح لوگ بھی زندہ ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جب بدکاری بہت بڑھ جائے گی۔(بخاری:7135)

(3) سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے کی کبھی تحقیر کی اور کبھی بڑا کر کے بیان فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں ہے پس جب ہم شام کو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ہم سے اس بارے میں معلوم کر لیا تو فرمایا: تمہارا کیا حال ہے؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے صبح دجال کا ذکر کیا اور اس میں آپ ﷺ نے کبھی تحقیر کی اور کبھی اس فتنہ کو بڑا کر کے بیان کیا، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے بارے میں دجال کے علاوہ دوسرے فتنوں کا زیادہ خوف کرتا ہوں۔اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہو گیا تو تمہاری بجائے میں اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر میری غیر موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرنے والا ہوگا اور اللہ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ اور نگہبان ہوگا۔بے شک (دجال) نوجوان، گھنگریالے بالوں والا اور پھولی ہوئی آنکھ والا ہوگا۔گویا کہ میں اسے عبدالعزیٰ بن قطن کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں۔پس تم میں سے جو کوئی اسے پالے تو چاہیے کہ اس پر سورۃ کہف کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرے۔بے شک اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان سے ہوگا۔پھر وہ اپنے دائیں اور بائیں جانب فساد برپا کرے گا۔اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا۔ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ زمین میں کتنا عرصہ رہے گا؟ آپ ﷺ

نے فرمایا: چالیس دن اور ایک دن سال کے برابر اور ایک دن مہینہ کے برابر اور ایک دن ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی ایام تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ دن جو سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ہمارے لیے ایک دن کی نمازیں پڑھنا کافی ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ تم ایک سال کی نمازوں کا اندازہ کر لینا۔ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کی زمین میں چلنے کی تیزی کیا ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بارش کی طرح جسے ہوا دھکیل رہی ہو۔پس وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں دعوت دے گا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی دعوت قبول کر لیں گے۔پھر وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا اور زمین سبزا اُگائے گی اور اسے چرنے والے جانور شام کے وقت آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے سے لمبے، تھن بڑے اور کوکھیں تنی ہوں گی۔پھر وہ ایک اور قوم کے پاس جائے گا اور انہیں دعوت دے گا۔وہ اس کے قول کو رد کر دیں گے۔تو وہ ان سے واپس لوٹ آئے گا۔پس وہ قحط زدہ ہو جائیں گے کہ ان کے پاس دن کے مالوں میں سے کچھ بھی نہ رہے گا۔پھر وہ ایک بنجر زمین اور ویران زمین کے پاس سے گزرے گا اور اسے کہے گا کہ اپنے خزانے کو نکال دے زمین کے خزانے اس کے پاس آئیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سرداروں کے پاس آتی ہیں۔پھر وہ ایک کڑیل اور کامل الشباب آدمی کو بلائے گا اور اسے تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور دونوں ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ایک تیر کی مسافت پر رکھ دے گا۔پھر وہ اس (مردہ) کو آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہنستا ہوا آئے گا۔دجال کے اسی فعل کے دوران اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس زرد رنگ کے حلے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب وہ اپنے سر کو جھکائیں گے تو اس سے قطرے گریں گے اور جب اپنے سر کو اٹھائیں گے تو اس سے سفید موتیوں کی طرح قطرے ٹپکیں گے اور جو کافر بھی اس کی خوشبو سونگھے گا وہ مرے بغیر رہ نہ سکے گا اور ان کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک ان کی نظر جائے گی پس سیدنا مسیح علیہ السلام (دجال کو) طلب کریں گے اسے باب لد پر پائیں گے تو اسے قتل کر دیں گے۔پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے پاس وہ قوم آئے گی جسے اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا تھا پس عیسیٰ علیہ السلام ان کے چہروں کو صاف کریں گے اور انہیں جنت میں ملنے والے ان کے درجات بتائیں گے۔پس اسی دوران سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ رب العزت وحی نازل فرمائیں گے کہ تحقیق! میں نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے کہ کسی کو ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں پس آپ میرے بندوں کو حفاظت کے لیے طور کی طرف لے جائیں اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر اُونچائی سے نکل پڑیں گے۔ان کی اگلی جماعتیں بحیرہ طبریہ پر سے گزریں گی اور اس کا سارا پانی پی جائیں گی اور ان کی آخری جماعتیں گزریں گی تو کہیں گی کہ اس جگہ کسی وقت پانی موجود تھا اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی محصور ہو جائیں گے، یہاں تک کہ ان میں کسی ایک کے لیے بیل کی سری بھی تم میں سے کسی ایک کے لیے آج کل کے سو دینار سے افضل و بہتر ہوگی۔پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ سے دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا۔وہ ایک جان کی موت کی طرح سب کے سب ایک لخت مر جائیں گے۔پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے

ساتھی زمین کی طرف اُتریں گے تو زمین میں ایک بالشت کی جگہ بھی یاجوج ماجوج کی علامات اور بدبو سے انہیں خالی نہ ملے گی۔ پھر اللہ کے نبی عیسٰی علیہ السلام اور ان کے ساتھی دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اونٹوں کی گردنوں کے برابر پرندے بھیجیں گے جو انہیں اٹھا کر لے جائیں گے اور جہاں اللہ چاہے وہ انہیں پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا جس سے ہر مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا بالوں کا آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا اور زمین مثل باغ یا حوض کے دُھل جائے گی۔ پھر زمین سے کہا جائے گا: اپنے پھل اُگا دے اور اپنی برکت کو لوٹا دے۔ پس ان دنوں ایسی برکت ہوگی کہ ایک انار کو ایک پوری جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے میں سایہ حاصل کرے گی اور دودھ میں اتنی برکت دی جائے گی کہ ایک دودھ دینے والی گائے قبیلہ کے لوگوں کے لیے کافی ہو جائے گی اور ایک دودھ دینے والی اونٹنی ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگی اور ایک دودھ دینے والی بکری پورے گھرانے کے لیے کفایت کر جائے گی۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے تک پہنچ جائے گی۔ پھر ہر مسلمان اور ہر مومن کی روح قبض کر لی جائے گی اور بدلوگ باقی رہ جائیں گے۔ جو گدھوں کی طرح کھلے بندوں جماع کریں گے۔ پس انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔ (مسلم:2937)

(4) سیدنا عبداللہ بن عمرو نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ ارشاد فرمایا: یاجوج ماجوج آدم کی اولاد سے ہیں اگر وہ آبادیوں میں بھیج دیئے جاتے تو لوگوں کے اسباب زندگی اور معیشت برباد کر دیتے۔ (مجمع الزوائد:8/13 کتاب الفتن، رقم الحدیث:12571)

(5) سیدنا ابنِ حرملہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا لوگ کہہ رہے ہو کہ اب دشمن نہیں رہا حالانکہ تم لوگ ہمیشہ اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے رہو گے حتی کہ یاجوج ماجوج نکل آئیں گے، چھوٹے چہرے والے، چھوٹی آنکھوں والے اور سرخی مائل سیاہ بالوں والے ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ان کے چہرے چمڑا ابھری ڈھال جیسے موٹے ہوں گے۔ (احمد، طبرانی)

(6) سیدنا ابوسعید خدری نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک قیام کے دن سیدنا آدم سے فرمائے گا اے آدم! وہ عرض کریں گے میں حاضر ہوں اے رب! تیری فرمانبرداری کے لئے، پروردگار آواز سے پکارے گا (یا فرشتہ پروردگار کی طرف سے آواز دے گا) اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا جتھا نکالو وہ عرض کریں گے اے پروردگار! دوزخ کا جتھا کتنا نکالوں حکم ہوگا (راوی نے کہا میں سمجھتا ہوں) ہر ہزار آدمیوں میں سے نوسو ننانوے (گویا ہزار میں ایک جنتی ہوگا) یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ پیٹ والی کا حمل گر جائے گا اور بچہ فکر کے مارے بوڑھا ہو جائے گا (یعنی جو بچپن میں مرا ہو) تو قیامت کے دن لوگوں کو ایسا دیکھے گا جیسے وہ نشے میں متوالے ہو رہے ہیں حالانکہ ان کو نشہ نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسا سخت ہوگا (یہ حدیث جو صحابہ حاضر تھے ان پر سخت گزری ان کے چہرے مارے ڈر کے بدل گئے اس وقت نبی ﷺ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا (تم اتنا کیوں ڈرتے ہو۔) اگر یاجوج ماجوج کی جو کافر ہیں نسل تم سے ملائی جائے تو ان میں سے نوسو ننانوے کے مقابل تم میں سے ایک آدمی پڑے گا غرض تم حشر کے دن دوسرے لوگوں کی نسبت (جو دوزخی ہوں گے) ایسے ہوں گے جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک بال کالا ہوتا ہے یا جیسے بیل کے جسم پر ایک دو بال سفید ہوتے ہیں اور مجھ کو

اُمید ہے کہ تم سارے جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو گے (باقی تین حصوں میں اور سب امتیں ہوں گی) یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا پھر آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم ایک تہائی ہو گے پھر ہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا پھر فرمایا نہیں بلکہ تم آدھا حصہ ہو گے (آدھے حصے میں اور امتیں ہوں گی ہم نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔(بخاری:4741)

(7) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے (ان کی سد ٹوٹ جائے گی)۔ پھر وہ نکلیں گے جیسے اللہ نے فرمایا ''اور وہ ہر بلندی سے دوڑ پڑیں گے۔'' وہ ساری زمین میں پھیل جائیں گے اور مسلمان ان سے علیحدہ رہیں گے یہاں تک کہ جو مسلمان باقی ہوں گے وہ اپنے شہروں اور قلعوں میں چلے جائیں گے اور اپنے چرانے کے جانور بھی ساتھ لے جائیں گے یاجوج ماجوج کا یہ حال ہوگا کہ ان کے لوگ ایک نہر پر سے گزریں گے اور اس کا سارا پانی پی ڈالیں گے یہاں تک کہ پانی کا ایک قطرہ نہ رہے گا اور ان میں سے کوئی یہ کہے گا کہ یہاں کبھی پانی تھا اور زمین پر وہ غالب ہو جائیں گے یہاں تک کہ ان میں سے ایک کہے گا اب زمین والوں سے تو ہم فارغ ہوئے (کوئی ہمارا مقابل نہ رہا) اب آسمان والوں سے لڑیں گے۔ آخر ان میں سے ایک اپنا حربہ آسمان کی طرف پھینکے گا وہ خون میں رنگا ہوا لوٹ کر گرے گا۔ وہ کہیں گے ہم نے آسمان والوں کو بھی مار ڈالا۔ خیر یہ لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ عزوجل چند جانور ٹڈی کے کیڑوں کی طرح بھیجے گا (نغف کی طرح۔ نغف اس کیڑے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں پڑ جاتا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے) یہ کیڑے ان کی گردنوں کو کاٹیں گے یا گردن میں گھس جائیں گے وہ سب ٹڈیوں کی طرح یک بارگی مر جائیں گے۔ ایک پر ایک پڑا ہوگا اور مسلمان صبح کو اپنے شہروں اور قلعوں میں ان کی آواز نہیں سنیں گے۔ وہ کہیں گے ہم میں سے کون ہے جو اپنی جان پر کھیلے یعنی اپنی جان کی پرواہ نہ کرے اور جا کر دیکھے کہ یاجوج ماجوج کیا کرتے ہیں۔ آخر مسلمانوں میں سے ایک شخص نکلے گا یا اترے گا (قلعہ سے) یہ سمجھ کر کہ وہ مجھ کو ضرور مار ڈالیں گے دیکھے گا تو وہ مردہ ہوں گے۔ وہ دوسرے مسلمانوں کو پکارے گا: اے بھائیو خوش ہو جاؤ تمہارے دشمن مر گئے۔ یہ سن کر سب مسلمان نکلیں گے اور اپنے جانوروں کو چرنے چھوڑ دیں گے (جو مدت سے بچارے بند ہوں گے) ان کے چرنے کو کچھ نہ ہوگا سوائے یاجوج ماجوج کے گوشت کے وہ ان کا گوشت کھا کر خوب موٹے ہوں گے جیسے کبھی کوئی گھاس کھا کر موٹے ہوئے تھے۔'' (ابن ماجہ:4079)

﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾

''اور اس دن ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں اور صور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا'' (99)

سوال 1: ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾ ''اور اس دن ہم ان میں سے

بعض کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں اور صُور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ﴾ ''اور اس دن ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں'' جب یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا یعنی جب وہ اپنے علاقوں سے نکل کر حملہ آور ہوں گے تو اپنی کثرت اور ساری زمین پر پھیل جانے کی وجہ سے سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوں گے۔ جیسا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ﴾ یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑ پڑیں گے۔ (الانبیاء: 96)

(2) اس سے مراد یہ بھی ہے کہ جب لوگ قیامت کے دن اکٹھے ہوں گے تو تعداد کی زیادتی، زلزلوں اور دہشت اور اضطراب کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکم پیل کر رہے ہوں گے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾ ''اور صُور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا''۔

سوال 2: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾ ''اور صُور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ﴾ ''اور صُور میں پھونک دیا جائے گا'' یعنی جب سیدنا اسرافیل صور پھونکیں گے تو اللہ تعالیٰ تمام روحوں کو جسموں میں واپس لوٹا دیں گے۔ پھر سب لوگوں کو میدان قیامت میں جمع کرے گا تا کہ ان کے اعمال کا حساب کتاب لیا جائے اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے۔

(2) سیدنا عبداللہ بن عمر بن عاص سے روایت ہے کہ ایک گنوار نبی ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ صور کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نرسنگا ہے۔ قیامت کے دن اس میں پھونکا جائے گا۔ (ترمذی: 2430)

(3) سیدنا ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کیونکر آرام کر سکتا ہوں اور صاحب قرن یعنی اسرافیل قرن کو منہ میں لیے اور کان لگائے ہوئے ہے کہ کب پھونکنے کا حکم ہو سو پھونک دے۔ یہ امر اصحاب رسول ﷺ پر سخت گزرا پس آپ ﷺ نے فرمایا: تم کہو ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ ''یعنی ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اچھا وکیل ہے اللہ پر ہم نے توکل کیا۔''

(ترمذی: 2431) (جامع البیان: 38/16)

(4) ﴿فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾ ''پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا'' پھر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو میدان حشر میں جمع کریں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ (٤٩) لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ (٥٠)﴾ ''آپ کہہ

دیں بلاشبہ پہلے اور پچھلے۔ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں''۔(الواقعہ:49,50)

(5)﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا﴾اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔(الکہف:47)

﴿وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا﴾

''اور اُس دن جہنم کو ہم کافروں کے سامنے لائیں گے، پوری طرح سامنے لانا''(100)

سوال:﴿وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا﴾''اور اُس دن جہنم کو ہم کافروں کے سامنے لائیں گے، پوری طرح سامنے لانا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا﴾''اور اُس دن جہنم کو ہم کافروں کے سامنے لائیں گے، پوری طرح سامنے لانا''یعنی جہنم میں جانے سے پہلے جہنم کا عذاب دیکھ لیں گے۔ان کے افعال کی جزا ہے کہ انہیں جہنم میں جانے سے پہلے انتہائی قلق ہوگا کیونکہ انہیں جہنم میں جانے سے پہلے اس کا یقین آجائے گا۔

(2)رب العزت نے فرمایا﴿فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾﴾''پھر جب ہر چیز پر چھا جانے والی بہت بڑی مصیبت آجائے گی۔جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی اور ہر شخص کے لیے جو دیکھتا ہے، اس پر جہنم ظاہر کردی جائے گی۔''(النازعات:34,36)

(3)سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا کہ دو شخص آئے' ایک فقر و فاقہ کی شکایت لیے ہوئے تھا اور دوسرے کو راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی شکایت تھی۔اس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں تک راستوں کے غیر محفوظ ہونے کا تعلق ہے تو بہت جلد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جب ایک قافلہ مکہ سے کسی محافظ کے بغیر نکلے گا۔(اور اسے راستے میں کوئی خطرہ نہ ہوگا)اور رہا فقر و فاقہ تو قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک (مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے یہ حال نہ ہو جائے کہ)ایک شخص اپنا صدقہ لے کر تلاش کرے لیکن کوئی اسے لینے والا نہ ملے۔پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک شخص اس طرح کھڑا ہوگا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا اور نہ ترجمانی کے لیے کوئی ترجمان ہوگا۔پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تجھے مال نہیں دیا تھا؟وہ کہے گا کہ ہاں دیا تھا۔پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا میں نے تمہارے پاس پیغمبر نہیں بھیجا تھا؟وہ کہے گا کہ ہاں بھیجا تھا۔پھر وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو آگ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا پھر بائیں طرف دیکھے گا تو ادھر بھی آگ ہی آگ ہوگی۔پس تمہیں جہنم سے ڈرنا چاہیے خواہ ایک کھجور کے ٹکڑے ہی (کا صدقہ کرکے اس سے اپنا بچاؤ کرسکو)اگر یہ بھی میسر نہ آسکے تو اچھی بات ہی منہ سے نکالو۔'(صحیح بخاری:1413)

(4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنم کو قیامت والے دن لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (مسلم:2842)

﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾

''وہ لوگ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے'' (101)

سوال: ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾ ''وہ لوگ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ﴾ ''وہ لوگ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں'' یعنی یہ لوگ قرآن حکیم سے روگردانی کرتے تھے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے، پھر تم عمل کرو، یقیناً ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔'' (حٰم سجدۃ:5)

(2) جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بہرے ہوتے ہیں، اس کی نشانیاں دیکھنے سے اندھے ہوتے ہیں نہ وہ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں نہ حق کی پیروی کر سکتے ہیں۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ (الزخرف:36)

(4) ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔'' (البقرۃ:7)

(5) جو لوگ دُنیا میں رہتے ہوئے ان آنکھوں سے اصلی حقیقت کو نہیں دیکھ پاتے وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں۔

(6) ﴿وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾ ''اور وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جو ایمان تک پہنچاتی ہیں، قرآن اور رسول کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے سن نہیں سکتے کیونکہ بغض رکھنے والا شخص جس کے خلاف بغض رکھتا ہے اس کی بات کو غور سے سن نہیں سکتا ہے۔ جب وہ علم اور بھلائی کے راستوں سے محجوب ہو جاتا ہے تب ان کے پاس سننے کے لئے کان ہوتے ہیں نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور نہ سمجھنے کے لئے عقل نافع۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا، اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا۔ اس لئے وہ جہنم کے مستحق ٹھہرے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ (تفسیر سعدی:2/1555)

رکوع نمبر 12

﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا﴾

''تو کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے یقیناً ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو بطور میزبانی تیار کررکھا ہے''(102)

سوال1:﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ﴾ ''تو کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ﴾ ''کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے'' ﴿عِبَادِيْ﴾ سے مراد ہیں: (i) فرشتے ۔(ii) مسیح علیہ السلام ،عزیر علیہ السلام ۔(iii) نیک بندے جن کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا جاتا ہے۔

(2) یہ مشرکین اور کافروں کے دعوے کے بطلان کی دلیل ہے جنہوں نے بعض انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیا، وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اولیائے کرام ان کے مددگار رہوں گے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلائیں گے اور ثواب عطا کریں گے، حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کیا ہے۔﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (٤٠) قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (٤١)﴾ ''اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر وہ فرشتوں سے کہے گا:''کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے؟'' وہ کہیں گے:''پاک ہے تیری ذات، اُن کی بجائے آپ ہی ہمارے دوست ہیں بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان کے اکثر اُن ہی پر ایمان لانے والے تھے۔''(سبا:40,41)﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا﴾ ''آپ کہہ دیں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ سمجھتے ہو انہیں پکار دیکھو چنانچہ نہ وہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی بدلنے کا۔''(بنی اسرائیل:56)﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور اُس کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی سفارش کا اختیار نہیں رکھتے مگر جو حق کے ساتھ گواہی دیں اور وہ علم بھی رکھتے ہوں۔''(الزخرف:86) اور اس قسم کی دیگر آیات جن میں اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو ولی و مددگار بناتا ہے تاکہ وہ اس کی مدد کرے اور اس سے موالات رکھے وہ گمراہ ہے، وہ خائب وخاسر ہے اس کی امید پوری نہیں ہوگی اور نہ اپنے مقصد کو پاسکے گا۔

(تفسیر سعدی:2/1555,1556)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے یہاں کس مقصد کے لیے سوال کیا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے یہ سوال زجر و توبیخ کے لیے کیا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے توسط سے یہ سمجھایا ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کی عبادت کر کے اُن کی حمایت سے تم میرے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ غیر اللہ پر اعتماد جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا دُنیا میں کسی کا کوئی اختیار نہیں۔

(4) اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ بچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کی حمایت کو اُنہوں نے گم کر دیا ہے۔

سوال 3: ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا﴾ ''یقیناً ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو بطور میزبانی تیار کر رکھا ہے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا﴾ ''یقیناً ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو بطور میزبانی تیار کر رکھا ہے'' یعنی ہم نے کفار کی ضیافت اور مہمانی کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ پس کیا بدترین قیام گاہ ان کا مسکن ہے اور کیا بدترین جہنم ان کی مہمانی ہے! (تفسیر سعدی:2/1555,1556)

(2) ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا (81) كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (82)﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں تا کہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں! جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور اِن کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے۔ (مریم:81,82)

(3) سیدہ ام سلمہ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک گرجے کا ذکر کیا، جسے انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصویریں تھیں، جن کا ذکر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو وہ اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) تعمیر کرتے تھے اور اس میں یہ تصویریں بناتے تھے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لوگ مخلوقات میں سے بدترین ہوں گے۔ (بخاری:427)

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا﴾

''آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں'' (103)

سوال 1: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا﴾ ''آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا﴾ ''آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں'' اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ سے کہا کہ لوگوں سے سوال کر کے ان کو تنبیہہ کر دو ''کیا میں تمہیں بتاؤں، کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔

(2) مصعب بن سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے آیت ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا﴾ کے متعلق سوال کیا کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں۔ کیا ان سے خوارج مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود نے تو محمد ﷺ کی تکذیب کی اور نصاریٰ نے جنت کا انکار کیا اور کہا کہ اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملے گی اور خوارج وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے عہد و میثاق کو توڑا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ انہیں فاسق کہا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری:4728)

﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾

''وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں'' (104)

سوال1:﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ ''وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی'' یعنی انہوں نے جو بھی عمل کیا سب باطل ہو کر رائیگاں گیا اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ تب ان اعمال کا کیا حال ہوگا جن کے بارے میں وہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ باطل ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت ہے؟ پس یہ کون لوگ ہیں جن کے اعمال رائیگاں گئے، جو قیامت کے روز خود ان کے اہل و عیال سب خائب و خاسر ہوئے۔ آگاہ رہو، یہ تو کھلا خسارہ ہے۔ (تفسیر سعدی:1556/2)

(2) اس سے مراد ہے کہ انسان کی ساری ہمت، قوت اور طاقت ان ہی کاموں میں صرف ہو جاتی ہے۔ انسان کے پاس کچھ اور کرنے کے لیے کوشش باقی ہی نہیں رہتی۔ (3) انسان کا وقت اُن ہی کاموں میں گم ہو جاتا ہے۔

(4) انسان کا مال جن کاموں میں کوشش کرنے کے لیے لگتا ہے وہیں اس کی کوشش گم ہو جاتی ہے۔

(5) ایسے لوگوں کے اعمال کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ ''اور ہم اُن کے ہر عمل کی طرف آئیں گے جو انہوں نے کوئی بھی عمل کیا تھا تو ہم اُسے اُڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے۔'' (الفرقان:23)

(6)﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے اُن کے اعمال صحرا میں سراب جیسے ہیں۔ جس کو پیاسا پانی

خیال کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہاں آیا تو اس نے اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اپنے پاس اللہ تعالیٰ کو موجود پایا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کا پورا حساب چکا دیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔" (النور:39)

(7) ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ "جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اُس راکھ کی طرح ہے جس پر ایک آندھی والے دن میں تُند ہوا چل پڑے جو بھی انہوں نے کمایا تھا اس میں سے وہ کسی پر قادر نہیں ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہے۔" (ابراہیم:18)

سوال 2: انسان کی کوششیں دنیا میں کیسے گم ہو جاتی ہیں؟

جواب: (1) انسان کوشش اُسی چیز کے لیے کرتا ہے جس کا اُسے فائدہ نظر آتا ہے۔

(2) دُنیا کی زندگی میں انسان کو مال کا فائدہ نظر آتا ہے اس لیے ساری کوششیں مال کمانے میں گم ہو جاتی ہیں۔

(3) دُنیا میں انسان کو ہر وہ کام بہت بڑا نظر آتا ہے جس کی وجہ سے اُسے عزت مل جائے لہٰذا اُس کی کوشش عزت کے حصول میں گم ہو جاتی ہے۔

(4) انسان دولت اور عزت کے لیے تعلیم حاصل کرنے میں کوششوں کو گم کر دیتا ہے۔

(5) انسان دولت اور عزت کے لیے بزنس کرنے میں، گھر بنانے میں، تعلقات بنانے میں اپنی کوشش گم کر دیتا ہے۔

(6) کوشش کا جب کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو وہ کوشش گم ہو جاتی ہے۔

(7) کوشش سے انسان جب سیدھے راستے پر نہیں آتا تو کوشش سیدھے راستے پر نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ کوشش کہیں اور لگ رہی ہے اور ایسی لگی ہے کہ گم ہی ہو گئی ہے۔ اب نہ وقت ہے سیدھے راستے پر آنے کا، نہ صلاحیت رہ گئی سیدھے راستے پر آنے کی، نہ مال ہے سیدھے راستے پر لگانے کے لیے کیونکہ سب کچھ تو دُنیا کے لیے لگ گیا اور یوں کوشش دُنیا کے لیے گم ہو گئی۔

سوال 3: ﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ "اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ "اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں" انسان جب غافل ہو جاتا ہے تو اُسے یہ سمجھ نہیں آتی کہ اس کی کوشش ضائع جا رہی ہے۔

(2) انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کی کوشش کا نتیجہ دولت اور عزت کی صورت میں سامنے آ رہا ہے تو وہ خود کو کامیاب سمجھنے لگتا ہے۔

(3) انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ آخرت کے لیے کوششیں چھوڑ کر دُنیا بنانے سے اُس کا کچھ نہیں بگڑا تو وہ سمجھ لیتا ہے سب اچھا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا، تو اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے“ (105)

سوال1:﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا، تو اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا“ یعنی جن لوگوں نے دنیا میں قرآن کی آیات اور اس کی توحید کے دلائل نہ مانے اور آخرت کی تصدیق نہ کی، نہ اس کے فرشتوں کو مانا، نہ کتابوں کو، نہ رسولوں کو۔

(2)﴿فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ ”تو اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے“ ان کے انکار کی وجہ سے ان کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

(3)﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ ”چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے“ ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا کیونکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی سے خالی تھے۔

(4) وزن کا فائدہ تو نیکیوں اور برائیوں کے مقابلے کے وقت ہوتا ہے تاکہ راجح اور مرجوح کو دیکھا جا سکے اور ان لوگوں کے پاس تو نیکیاں سرے سے ہیں ہی نہیں کیونکہ ان میں نیکیوں کے معتبر ہونے کی شرط معدوم ہے اور وہ ہے ایمان۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا﴾ ”اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہو تو نہ وہ کسی ناانصافی سے ڈرے گا اور نہ کسی حق تلفی سے۔“ (طٰہٰ:112) لیکن ان اعمال کو شمار کیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کا اقرار کریں گے اور وہ گواہوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں گے اور پھر ان اعمال کی پاداش میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (تفسیر سعدی:1557/2)

(5)﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝﴾ تو جس شخص کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔ اور جس شخص کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اُس کا ٹھکانہ گہری کھائی ہوگا۔ اور تم کیا جانو کیا ہے وہ؟ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ (القارعۃ:6,11)

(6)﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝﴾ ”پھر وہ شخص جس کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ

کامیاب ہیں۔ اور وہ شخص جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اُن کے چہروں کو آگ جھلسا دے گی اور اس میں وہ جبڑے نکالنے والے ہوں گے۔ (المومنون:102,104)

(7) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی مومن پر ایک نیکی کے معاملہ میں بھی ظلم نہیں کرے گا، اسے اس کا بدلہ دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں کا بدلہ جو اس نے اللہ کے لیے کی ہوں گی، دنیا ہی میں دے دیا جائے گا، پھر جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہے گی کہ جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔ (مسلم:2808)

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ قیامت کے دن ایک بہت بھاری بھر کم موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن وہ اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی کوئی قدر نہیں رکھے گا اور فرمایا کہ پڑھو ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ ''قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن نہ کریں گے۔'' (بخاری:4729)

(9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کتنے قیام کرنے والے ہیں کہ جنہیں اپنے قیام سے سوائے بیداری کے اور کچھ نہیں ملتا (یعنی اجر وثواب نہیں ملتا) اور کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ جنہیں اپنے روزوں سے سوائے بھوک (وپیاس) کے اور کچھ نہیں ملتا۔'' (ابن حبان:3481)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی آیات اور ملاقات کا انکار کرنے والوں کے اعمال کیوں ضائع ہو جاتے ہیں؟

جواب: (1) آخرت کو چھوڑ کر صرف دُنیا کی زندگی کے مسائل کو دیکھنا دراصل اللہ تعالیٰ کے نقشے کے خلاف اپنا نقشہ بنانا ہے اور انسان جب اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر آجائے تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔

(2) اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیابی کا معیار آخرت کی کامیابی ہے ایسی حالت میں دُنیا کے مال اور عزت کو ترقی سمجھنا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے پروگرام کے مقابلے میں اپنا پروگرام بنانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں انسانی پروگرام کامیاب نہیں ہو سکتے۔

(3) جب دُنیا کے لیے کوشش کی جاتی ہے تو بظاہر دولت اور عزت کی وجہ سے یوں لگتا ہے سب اچھا ہے لیکن ان سارے اعمال کا قیامت کے دن چونکہ کوئی وزن نکلنے والا نہیں اس وجہ سے یہ اعمال ضائع ہونے والے ہیں۔

سوال 3: انسان اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نقشے کے مقابلے میں اپنی زندگی کا کوئی اور نقشہ کیوں بناتا ہے؟

جواب: (1) جو لوگ اپنا ذہن دُنیا کی طرف لگا لیتے ہیں انہیں آخرت کے لیے دی جانے والی کوئی دلیل اپیل نہیں کرتی۔

(2) جو لوگ عزت اور دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں انہیں آخرت کی نشانیاں متاثر نہیں کرتیں لہٰذا وہ جنت کو نہیں دُنیا کی دولت اور عزت کو اپنا معیار بنا لیتے ہیں۔

سوال 4: انسان جب زندگی کا اپنا خود ساختہ نقشہ بنا لیتا ہے تو اُس کے اُس عمل کو اللہ تعالیٰ کیا عنوان دیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ ایسے عمل کو کفر قرار دیتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴾

''یہ جہنم ان کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا'' (106)

سوال 1: ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴾ ''یہ جہنم ان کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا﴾ ''یہ جہنم ان کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا'' یعنی ان کے اعمال کا بدلہ ہے کہ ان کے اعمال ضائع کر دیئے گئے، ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا۔

(2) اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا'' یعنی میری طرف سے آنے والی وحی کا، میری آیات کا اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔

(3) اللہ تعالیٰ کی آیات کی تعظیم کرنا فرض ہے، اس کے رسولوں پر ایمان لانا اور اللہ کی آیات کو قائم کرنا فرض ہے (انہوں نے یہ فرض پورا نہیں کیا بلکہ اس کا مذاق بنایا۔ اس لیے وہ اوندھے منہ جہنم میں گرائے جائیں گے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''اور جب ہماری آیات میں سے کچھ بھی جان لیتا ہے تو وہ اُس کا مذاق بنا لیتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے توہین آمیز عذاب ہے۔'' (الجاثیہ:9)

(5) ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ''پھر جن لوگوں نے بُرے کام کیے تھے، اُن کا انجام بہت ہی بُرا ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔'' (الروم:10)

(6) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ڰ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور لوگوں میں سے کوئی ہے جو غافل کر دینے والی بات خریدتا ہے تا کہ وہ علم کے بغیر ہی (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دے اور اس (اللہ تعالیٰ کی راہ) کا مذاق بنائے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ (لقمان:6)

(7) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص پہلے عیسائی تھا' پھر وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس نے سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھ لی تھی۔ وہ نبی ﷺ کا منشی بن گیا لیکن پھر وہ شخص مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور کہنے لگا محمد کے لیے میں نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کے سوا اس کو کچھ بھی نہیں معلوم۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اور اس کے آدمیوں نے اسے دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی لاش قبر سے نکل کر زمین کے اوپر پڑی ہے۔ عیسائی لوگوں نے کہا یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے اس نے اس کا دین چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ دوسری قبر انہوں نے کھودی جو بہت زیادہ گہری تھی لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے یہی کہا کہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا اس لیے اس کی قبر کھود کر اس نے اس کی لاش باہر پھینک دی ہے۔ پھر

انہوں نے قبر کھودی۔اور جتنی گہری ان کے بس میں تھی کر کے اسے اس کے اندر ڈال دیا لیکن صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔اب انہیں یقین آیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں (بلکہ یہ میت عذاب خداوندی کا شکار ہے) چنانچہ انھوں نے اسے یوں ہی (زمین پر) ڈال دیا۔(صحیح بخاری:3617)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیکیاں کیں،اُن کی میزبانی کے لیے فردوس کی جنتیں ہیں'' (107)

سوال 1:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیکیاں کیں،اُن کی میزبانی کے لیے فردوس کی جنتیں ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے'' یعنی جو لوگ دل سے ایمان لائے۔

(2)﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جنھوں نے نیکیاں کیں'' اور دل اور زبان سے نیکیاں کرنے میں مصروف رہے۔

(3)(i)ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرنا محض زبانی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔(ii)انسان نظر آنے والی جنت (دولت اور عزت) کو چھپی ہوئی جنت کے لیے چھوڑ کر قربانی دیتا ہے۔(iii)جب انسان دلیل سے حق کو پہچانتا ہے اور اپنی زندگی اُس راستے پر ڈال دیتا ہے جب کہ ایسا کرنے کے لیے اُس پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا اور دوسری طرف ظاہری نتائج مختلف ہوتے ہیں یعنی جو لوگ دُنیا کی خاطر کوشش کرتے ہیں وہ دُنیا میں اُن کے نتائج عملی طور پر دولت اور عزت کی صورت دیکھ رہے ہوتے ہیں اور حق کے راستے پر چلنے والوں پر دباؤ بھی ڈال رہے ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں دباؤ کا مقابلہ کرنا،نظر آنے والی زینت کے مقابلے میں حق کو اختیار کرنا معرفت کا ثبوت ہے۔اس کا انعام یہی کہ ہمیشہ کے باغوں میں ایسے لوگوں کو داخل کر دیا جائے۔

(4)رب العزت نے ان لوگوں کو بشارت دی ہے:﴿كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ ''اُن کی میزبانی کے لیے فردوس کی جنتیں ہیں'' انہیں ان کے ایمان اور نیک اعمال کے مطابق جنت الفردوس یعنی جنت کا بلند ترین،افضل اور بہترین درجہ دیا جائے گا۔اور یہ ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے اپنے ایمان کی تکمیل کی اور وہ انبیاء اور مقربین ہیں۔

(5)جنت الفردوس ان لوگوں کے لیے مہمانی اور ضیافت کی جگہ ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کیے اس ضیافت سے بڑی،زیادہ عظیم اور زیادہ جلیل القدر کون سی ضیافت ہو سکتی ہے جو قلب و روح اور بدن کے لئے ہر نعمت پر مشتمل ہے۔اس میں ہر وہ نعمت موجود ہے جس کی نفس خواہش کریں گے اور آنکھیں لذت حاصل کریں گی،مثلاً خوبصورت گھر،سرسبز باغات،پھل دار درخت،سحر انگیز گیت،گاتے ہوئے پرندے،لذید ماکولات و مشروبات،خوبصورت بیویاں،خدمت گزار لڑکے،بہتی ہوئی نہریں،دلکش مناظر،حسی اور معنوی حسن و جمال اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں۔اس سے بھی افضل اور جلیل القدر نعمت،رحمن کا تقرب،اس کی رضا کا حصول جو کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ کے دیدار اور رؤف و رحیم کے کلام سے لطف اندوز ہونا۔اللہ کی قسم!یہ ضیافت کتنی جلیل القدر کتنی خوبصورت،ہمیشہ رہنے والی

اور کتنی کامل ہوگی۔ یہ ضیافت اس سے بہت بڑی ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس کا وصف بیان کر سکے، یا دلوں میں اس کے تصور کا گزر ہو سکے۔ اگر بندوں کو ان میں سے جو کچھ نعمتوں کا حقیقی علم حاصل ہو کر ان کے دلوں میں جا گزیں ہو جائے تو دل شوق سے اڑنے لگیں گے، جدائی کے درد سے روح لخت لخت ہو جائے گی اور بندے اکیلے اکیلے اور گروہ در گروہ اس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ وہ اس کے مقابلے میں دنیائے فانی اور اس کی ختم ہو جانے والی لذات کو کبھی بھی ترجیح نہیں دیں گے۔ وہ اپنے اوقات کو ضائع نہیں کریں گے کہ یہ اوقات خسارے اور ناکامی کا باعث بنیں کیونکہ اس جنت کا ایک لمحہ دنیا کی ہزاروں سال کی نعمتوں کے برابر ہے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ غفلت نے گھیر رکھا ہے، ایمان کمزور پڑ گیا اور ارادہ اضمحلال کا شکار ہو گیا ہے، پس اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (تفسیر سعدی:1558/2)

(6) جنت کے سب سے اعلیٰ اور بلند درجے کا نام جنت الفردوس ہے جس کے باغات کے درخت گھنے، پر بہار اور خوش منظر ہیں۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو۔ (بخاری، کتاب الجہاد)

(7) ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ ''یقیناً مومن کامیاب ہو گئے۔ وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو لغویات سے منہ موڑنے والے ہیں۔ اور وہی جو زکوٰۃ کو ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے تو یقیناً وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر جو اس کے علاوہ کچھ اور ڈھونڈیں تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (المومنون:1،11)

(8) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا، خواہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کرے (یا نہ کرے) بلکہ جس سرزمین میں پیدا ہوا ہو وہیں بیٹھا رہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں میں اس بات کو مشہور نہ کر دیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس سے فردوس طلب کرو کیونکہ وہ جنت کا

افضل اور اعلیٰ حصہ ہے۔'' مجھے خیال ہے کہ نبی ﷺ نے (یہ بھی اس کے بعد) فرمایا: ''اس کے (یعنی جنت الفردوس کے) اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور وہیں سے (یعنی جنت الفردوس سے) جنت کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔ (بخاری:7423)

(9) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کے دن شہید ہو گئے، وہ ابھی نوعمر تھے، ان کی والدہ محترمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، کہنے لگیں، اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ حارثہ سے مجھ کو کتنی محبت تھی، اب اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور ثواب کی امید رکھوں گی، لیکن اگر وہ کسی اور حال میں ہے تو پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں (یعنی اس کے لیے کتنا روتی ہوں)؟ آپ نے فرمایا: ''تم پر افسوس! کیا وہاں کوئی ایک جنت ہے؟ وہاں تو بہت سی جنتیں ہیں اور تمھارا بیٹا تو فردوس میں ہے۔'' (بخاری:3982)

(10) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ؀ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ؀﴾ ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیکیاں کی ہیں، یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے اَبدی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہاں انھیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، اس میں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اچھا بدلہ ہے اور اچھی آرام گاہ ہے!'' (الکہف:30,31)

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾

''وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے'' (108)

سوال 1: ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ ''وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے'' جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے منتقل نہ ہونا چاہیں گے۔ جنت کو چھوڑ کر وہ کوئی اور جگہ پسند نہ کریں گے۔ انھیں جنت ہی سے پیار ہوگا وہ ان کا مرغوب اور من بھاتا گھر ہوگا۔

(2) ﴿لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ ''ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے'' انسان ایک جگہ رہتے رہتے اکتا جاتا ہے لیکن جنت ہی ایسا راحت کدہ ہوگا کہ دائمی رہنے کے باوجود بھی دل اس سے نہ کبھی اکتائے گا اور نہ کوئی جنتی جنت سے منتقل ہونا چاہے گا۔ (اللّٰھم ارزقنا الفردوس) آمین۔ (مختصر ابن کثیر:1120/2)

سوال 2: انسان تبدیلی کو پسند کرتا ہے پھر جنت سے جگہ تبدیل کرنا کیوں نہ چاہے گا؟

جواب: انسان تبدیلی کو پسند کرتا ہے اور ایک جگہ مسلسل رہنا اُسے غمگین کر دیتا ہے ایسے میں ہمیشہ رہنے والی جنت کا تصور انسان کو کیسے تسکین دے سکتا ہے؟ (1) جنت کی خاص بات یہ ہے کہ جنت میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہو گی۔

(2) تبدیلی کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کسی چیز میں کوئی نقص ہو۔

(3) جنت سے اُونچا کوئی معیار نہیں جہاں تک انسان نے پہنچنا ہو اور اس معیار کے لیے تبدیلی کی ضرورت ہو۔

(4) جنت سے آگے کوئی منزل نہیں ہے۔ جنت کامل ہے اور انسان کاملیت تک پہنچنا چاہتا ہے انسان کے ذوق کی تسکین جنت کے سوا کسی اور مقام پر نہیں ہو سکتی۔

(5) جنت جا کر انسان تغیر اور تبدیلی کی خواہش نہ رکھے گا۔ اس لیے جنت سے زیادہ تسکین دینے والی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

(6) جنت میں کامل حسن ہو گا جس کی وجہ سے اُکتاہٹ نہیں ہو گی۔

(7) جنت سے زیادہ کوئی جگہ بہتر نہیں ہو گی اس لیے کہیں منتقل ہونے کی خواہش نہیں ہو گی۔

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾

”آپ کہہ دیں کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر سیاہی ہو جائیں، وہ بھی میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے یقیناً ختم ہو جائیں گے چاہے ہم اسی کے برابر اور سیاہی لے آئیں“ (109)

سوال 1: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ ”آپ کہہ دیں کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر سیاہی ہو جائیں، وہ بھی میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے یقیناً ختم ہو جائیں گے چاہے ہم اسی کے برابر اور سیاہی لے آئیں“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ”آپ کہہ دیں“ رب العزت نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی لامحدود صفات کے بارے میں بندوں کو بتا دیجیے۔

(2) ﴿لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ﴾ ”اگر سمندر ہو جائیں“ یعنی دنیا میں موجود سارے سمندر۔

(3) ﴿مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ﴾ ”سیاہی میرے رب کے کلمات کے لئے“ یعنی سارے سمندر روشنائی بن جائیں جن سے رب کے کلمات اور اس کی حکمتیں اور دلائل لکھے جائیں۔

(4) ﴿لَنَفِدَ الْبَحْرُ﴾ ”یقیناً ختم ہو جائیں گے سمندر“ تو سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے گی۔

(5)﴿قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیۡ﴾ ”میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے“ یعنی رب کے کلمے باقی رہ جائیں گے۔

(6)﴿وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا﴾ ”چاہے ہم اسی کے برابر اور سیاہی لے آئیں“ اگر چہ اس میں کئی اور سمندر شامل کر دیے جائیں۔

(7) رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ وَّالۡبَحۡرُ يَمُدُّهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ سَبۡعَةُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ﴾ ”اور اگر واقعتاً روئے زمین کے تمام درختوں کی قلمیں ہوں اور تمام سمندر اس کی سیاہی ہوں، اس کے بعد سات سمندر اور ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بڑی حکمت والا ہے۔“ (لقمان:27)

(8) یہ معانی کو ذہن کے قریب تر کرنے کا ایک اسلوب ہے کیونکہ یہ تمام اشیاء مخلوق ہیں اور تمام مخلوقات ختم ہونے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی جملہ صفات میں شمار ہوتا ہے اور اس کی صفات غیر مخلوق ہیں جن کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ پس جتنی بھی عظمتیں اور وسعتیں ہیں، جن کا تصور دلوں میں آسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی باقی صفات کا معاملہ ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی حکمت، اس کی قدرت اور اس کی رحمت اگر زمین اور آسمان کی مخلوق میں سے تمام اولین و آخرین کے علم کو اکٹھا کر لیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلے میں اتنا ہی قلیل ہے جتنا ایک چڑیا کی چونچ میں وہ پانی جو وہ ایک سمندر سے لیتی ہے۔ اس قطرہ آب کو جو نسبت عظیم سمندر سے ہے، وہی نسبت عام انسانوں کی صفت کو اللہ کی عظیم صفات سے ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عظیم لامحدود اور کامل صفات کا مالک ہے اور وہ ہر چیز کی انتہا اللہ ہی کے پاس ہے۔ (تفسیر سعدی:1559/2)

سوال 2: کلمات سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم کلی ہے۔

(2) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں جس کا عقلیں احاطہ نہیں کر سکتیں۔ رب کی ذات کے دلائل ختم نہیں ہو سکتے چاہے سارے سمندر ختم ہو جائیں چاہے سارے درخت ختم ہو جائیں جن کی قلمیں بنائی جائیں اور قلمیں گھس جائیں۔

(3) جب ہر چیز ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمات کو بھی باقی دکھایا ہے۔

(4) کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے کارنامے، کمالات اور عجائبات قدرت ہیں اور یہ لامتناہی اور بے حد حساب ہیں جن میں ہر آن مزید وسعت بھی ہوتی رہتی ہے اور سمندر یا سمندروں کا پانی خواہ کتنا ہی کثیر مقدار میں ہو بہر حال اس کی ایک حد ہے اور ایک محدود چیز سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے لہٰذا سمندروں کی سیاہی تو ختم ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔ (تیسیر القرآن)

﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾

''آپ فرمادیں کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے'' (110)

سوال 1: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ ''آپ فرمادیں کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ''آپ فرمادیں'' اللہ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ رسالت کو جھٹلانے والے مشرکوں سے آپ کہہ دیجیے۔

(2) ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ''کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں'' یعنی میں تو تمہارے جیسا انسان ہوں میرے پاس نہ علم غیب ہے، نہ خزانے، نہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کا کوئی حصہ میرے پاس ہے۔ میں معبود نہیں ہوں رب کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو انہیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں اس کے سوا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (بنی اسرائیل: 94)

(4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی۔ ابراہیم (ایک راوی) نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ نماز میں زیادتی ہوئی یا کمی' پھر جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آخر کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ سن کر آپ نے نے اپنے دونوں پاؤں پھیرے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور (سہو کے) دو سجدے کیے۔ اور سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہوتا تو میں تمہیں پہلے ہی ضرور کہہ دیتا لیکن میں تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں' جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ اس لیے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلایا کرو اور اگر کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اس وقت ٹھیک بات سوچ لے اور اسی کے مطابق نماز پوری کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) کر لے۔'' (صحیح بخاری: 401)

(5) سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ کھجوروں کو قلم لگا رہے تھے یعنی کھجوروں کو گابھن کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم لوگ اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس طرح نہ کرو تو شاید تمہارے لیے یہ بہتر ہو انہوں نے اس طرح کرنا چھوڑ دیا تو کھجوریں کم ہو گئیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ

سے اس بارے میں ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایک انسان ہوں جب میں تمہیں کوئی دین کی بات کا حکم دوں تو تم اس کو اپنالو اور جب میں اپنی رائے سے کسی چیز کے بارے میں بتاؤں تو میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ (ایک راوی) کہتے ہیں یا اسی طرح کچھ اور آپ ﷺ نے فرمایا۔'' (صحیح مسلم:6127)

(6) سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ میں ایک انسان ہوں، تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو۔ ممکن ہے تم میں سے بعض اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں فریق ثانی کے مقابلہ میں زیادہ چرب زبان ہوں اور میں تمھاری بات سن کر فیصلہ کر دوں تو جس شخص کے لئے میں اس کے بھائی (فریق مخالف) کا کوئی حق دلا دوں۔ چاہیے کہ وہ اسے نہ لے کیونکہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو میں اسے دیتا ہوں''۔ (صحیح بخاری:7169)

(7) ﴿يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ﴾ ''میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے'' یعنی مجھے تم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ میری طرف وحی کرتا ہے اور جلیل ترین وحی یہ ہے کہ اس نے تمہیں آگاہ کیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے، یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی ذرہ بھر عبادت کا مستحق ہے اور میں تمہیں ان اعمال کی دعوت دیتا ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب اور اس ثواب سے بہرہ ور کرتے ہیں اور تم سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:1560/2)

(8) جس شخص کو یہ خیال ہو کہ میں جھوٹا ہوں وہ قرآن جیسا قرآن لے آئے میں نے تم کو ماضی کی باتیں بتا دیں اور اصحاب کہف کا واقعہ اور ذوالقرنین کے حالات سنائے تو میں عالم الغیب تو نہیں ہوں۔ تم جیسا ایک انسان ہوں۔ اگر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ مجھے باتوں کی خبر نہ دیتا تو مجھے گزرے ہوئے واقعات کا علم کیسے ہوتا لہٰذا جس طرح میرے بتائے ہوئے ماضی کے واقعات سچے ہیں ٹھیک اسی طرح میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ میں جس معبود کی طرف بلا رہا ہوں وہ ایک ہی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ (مختصر ابن کثیر:1121/2)

سوال 2: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ ''چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ﴾ ''چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے'' یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا خوف رکھتا ہو اور اپنی مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ کو نگران سمجھتا ہو اور اس کی اطاعت کے کاموں پر اس سے ثواب کی امید رکھتا ہو۔ (جامع البیان:51/16)

(2) جو اپنے رب سے ثواب اور نیک صلہ کا امیدوار ہو تو اسے عمل صالح کرنے پڑیں گے۔ (مختصر ابن کثیر:1121/2)

(3) ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ ''تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے'' اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو واجب اور مستحب ہیں۔ (تفسیر سعدی:1560/2)

(4) عمل صالح وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت کے مطابق ہو۔

(5) وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کو خالص کرلے، اور ربوبیت میں اس کو ایک جانے۔ (جامع البیان: 50/16)

(6) ﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ "اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے" ایک شخص نے رحمت عالم سے پوچھا کہ میں بہت سے نیک عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بھی کرتا ہوں اور مجھے یہ بھی پسند ہے کہ لوگ میری نیکیاں بھی دیکھ لیں آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر یہ آیت اتری۔ (ابن ابی حاتم)

(7) یعنی اپنے اعمال میں ریا سے کام نہ لے بلکہ اس کے اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جو اخلاص اور اتباع کی جامع ہے اور اسی سے مطلوب ثواب حاصل ہوسکتا ہے۔ اس طریقے کے سوا دیگر طریقوں کو اختیار کرنے والے لوگ اپنی دنیا و آخرت میں خائب و خاسر لوگ ہیں۔ جو اپنے آقا و مولا کے قرب اور اس کے حصول سے محروم ہوں گے۔ (تفسیر سعدی: 1560/2)

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میں شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے پرواہ ہوں۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ غیر کو شریک کیا تو میں اس کو اور اس کے شریک کو چھوڑ دیتا ہوں۔" (صحیح مسلم: 7475)

(9) سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو نبی ﷺ پر اتری۔ (ابن کثیر: 302)